# محرم الحرام کا پیغام

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ”مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے،اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔یہی درست دین ہے،تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔“۔

فی کتاب الله سے مراد لوح محفوظ یعنی تقدیر الٰہی ہے۔یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں،جن میں چار حرمت والے ہیں جن میں قتال وجدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔سال بارہ مہینوں کا ہے،جن میں چار حرمت والے ہیں،تین پے در پے،ذوالقعدہ،ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر،جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے“ صحیح بخاری،کتاب التفسیر،سورۃ التوبۃ وصحیح مسلم،کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء) زمانہ اسی حالت پر آگیا ہے کا مطلب،مشرکین عرب مہینوں میں جو تاخیر وتقدیم کرتے تھے،جس کی تفصیل آگے آرہی ہے،اس کا خاتمہ ہے۔یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا،جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار حرمت والے ہیں۔اور یہی حساب صحیح اور ان کا عدد مکمل ہے اور اب یہ گھوم گھما کر اسی ترتیب پر آگئے ہیں جو ابتدائے کائنات کے وقت تھی۔یعنی حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد،الا یہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں،پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمہارے لیے لڑنا جائز ہوگا۔

(تفسیر احسن البیان سورہ توبہ:۳۶)

درس حدیث

محمد اظہر مدنی

# عاشوراء وتاسوعاء کے روزے کی فضیلت

عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن صیام یوم عاشوراء فقال: یکفر السنۃ الماضیۃ'' (رواہ مسلم:۱۲۵۰)

**ترجمہ**: حضرت ابوقتادۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عاشوراء کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (عاشوراء کا روزہ) پچھلے ایک سال کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

**تشریح**: عاشوراء محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں جس دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس دن کے رزہ کا بے پناہ اہتمام تھا۔ آپ اپنی پوری مکی زندگی میں اس دن کا روزہ رکھتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو مدنی زندگی میں بھی یہ روزہ رکھا بلکہ صحابہ کرام کو عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس کی فضیلت واہمیت بیان فرمائی۔ ویسے اس مہینہ کے روزے کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ محرم الحرام کے مہینہ کا ہے لیکن محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ کھنا بطور خاص ہمارے لیے ضروری ہے بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان کے روزے کی فرضیت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے روزہ کو پابندی کے ساتھ رکھتے تھے بلکہ وہ فرض کے درجہ ومقام پر تھے۔ جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''من شاء صامہ ومن شاء ترکہ'' جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد ونواح کی بستیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ تمام لوگ یوم عاشوراء کا روزہ رکھیں۔ لہٰذا ہم نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھوایا اور جب بچے روتے تو ان کو بہلانے پھسلانے کے لیے کھلونے دے دیتے تاکہ افطار تک وہ اسی میں لگے رہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ایک دن کو دوسرے دن پر اہمیت دیتے ہوئے روزہ رکھتے ہوں سوائے عاشوراء اور رمضان کے روزہ کے۔

درحقیقت اس روزہ کی جتنی فضیلت ہے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے۔ اس تعلق سے بہت ساری روایات ملتی ہیں۔ ان صحیح روایات کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہود یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''ما ھذا الیوم الذی تصومونہ'' کہ تم لوگ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو تو ان لوگوں نے کہا: ''ھذا یوم عظیم'' کہ یہ ایک عظیم دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس دن کا روزہ رکھا۔ اس لیے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فنحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم'' ہم لوگ تم لوگوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ تمہارے بنسبت ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا۔'' وامر بصیامہ'' اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ہمیں یوم عاشوراء کے روزہ کا اہتمام کرنا چاہئے اور تمام قسم کی بدعات وخرافات سے بچتے ہوئے اس دن کو سنت نبوی کے مطابق گزارنا چاہئے اور اس کی مبارک ساعتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ایک انسان کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ پورے سال کا گناہ ایک دن کے روزے سے ختم ہو جائے۔ اس روزہ (عاشوراء) کے متعلق یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ عاشوراء کے ساتھ ''یوم تاسوعاء'' یعنی نویں محرم الحرام کا بھی روزہ رکھیں۔ چونکہ یوم عاشوراء کی تعظیم یہود ونصاریٰ بھی کرتے تھے اور اسے یوم عید تصور کرتے تھے اور خیبر کے یہود تو اس دن اپنی خواتین کو نئے نئے جوڑے اور قیمتی زیورات سے ملبوس کرا کے خوشیاں مناتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب آئندہ سال آئے گا تو ہم یوم عاشوراء کے ساتھ یوم تاسوعاء کا بھی روزہ رکھیں گے۔ ان شاء اللہ۔ لہٰذا افضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ عاشوراء کے ساتھ ساتھ یوم تاسوعاء کے روزہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے تاسوعاء کا روزہ نہیں رکھ پائے تو گیارہ محرم کا روزہ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم تمام لوگوں کو محرم الحرام کے مہینہ میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنے بطور خاص صوم عاشوراء کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی النبی محمد وسلم تسلیما کثیرا

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی  مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی  مولانا شہاب الدین مدنی  ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی  مولانا طہ سعید خالد مدنی  مولانا انصار زبیر محمدی

## اس شمارے میں

| | |
|---|---|
| درس حدیث | ۲ |
| اداریہ | ۳ |
| عاشوراء محرم- روز عید یا روز غم و ماتم | ۸ |
| محرم الحرام، حادثۂ کربلا اور مسلم قوم | ۱۰ |
| ماہ محرم کے فضائل وتعزیہ داری | ۱۲ |
| اجتماعیت اور اسلام | ۱۳ |
| دینی اور عصری علوم- اسلام کی نظر میں | ۱۶ |
| بچوں کی ذہنی ودماغی تربیت کی اہمیت | ۱۹ |
| رضاعت کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں | ۲۱ |
| ملکۂ عفاف- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا | ۲۴ |
| مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز | ۲۹ |
| جماعتی خبریں | ۳۰ |
| ایک اعلیٰ سطحی وفد متعدد صوبوں کے دورے پر | ۳۲ |

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

# بلاد حرمین کی خدمتگار اور امن وانسانیت کی علمبردار
# سعودی سرکار

راہ وفا کے راہی ہر دور میں رہے ہیں۔ وفا کی راہوں میں ایک اہم شاہراہ وہ ہے جو مکہ مکرمہ کو جاتی ہے جسے اول یوم سے مرکز ثقل، مرکز انسانیت، مرکز دین، مرکز عبادت، مرکز امن وامان اور مرکز قلوب واذہان فطری طور پر بنادیا گیا تھا، اور روز آفرینش سے ہی جب کہ حضرت انسان کا اس دھرتی پر وجود بھی نہ تھا اسے قبلہ وکعبہ ہونے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ وہ مبارک مرکز ہدایت انسانی، رب کی عظیم ترین نشانی، ہدایت وحق کی پاسبانی اور ہر قاصد اور نفس آنی جانی کے لیے گہوارہ ایمان ونگہبانی اور مرکز امن وامان بنادیا گیا تھا۔ اور یہی اللہ جل شانہ کا ان کے بندوں کے لیے پہلا گھر تھا۔ ''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡن '' (آل عمران:۹۶) اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے''۔

اس راہ کے راہی دنیا کے سب سے بہتر مسافر ہوتے ہیں۔ سب سے بہتر ومبارک سفر ان کا ہوتا ہے۔ سب سے اچھے گھر کی طرف وہ سفر کرتے ہیں۔ سب سے اچھا توشہ اور زاد راہ وہ اپناتے ہیں۔ اور سب سے بہترین قصد وارادہ کے مالک وہ ہوتے ہیں۔ آپ ذرا غور کرو کہ فرشتوں نے اس گھر کا قصد کیا، اللہ کے سب سے زیادہ برگزیدہ وچنندہ بندے حضرات انبیاء علیہم السلام اس کے حجاج وقاصدین تھے۔ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد ان کی گرامی قدر اولاد خصوصا نبوت ورسالت کے درجہ کمال پر پہنچنے والوں میں سے ابوالانبیاء مجددِ بناء بیت اللہ، بے مثال اور انمٹ نقوش اور علاماتِ لازوال کے بطل جلیل اور رجل عظیم ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں، جن کے سفر وحضر کی ہر ادا محبوب سبحانی، باعث فخر انسانی اور ذریعہ قوت ایمانی وروحانی ثابت ہوئی اور رہتی دنیا تک کے لیے اسے شعائر ومناسک حج وقربانی ٹھہرا دیا گیا۔ اور سید الاولین والآخرین، قدوۃ المتقین اور امام النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان سب کو سند وشہادۂ حق وصداقت اور خاتم ومہر قرار دیا گیا کہ اب اس

کی معتبریت، استناد واعتماد اور ثقاہت وثبات کے لیے کسی اور کی ضرورت اور اس میں زیادتی اور کمی کی ادنیٰ گنجائش نہیں رہ گئی۔ اور رہتی دنیا تک سب کے لیے مزید تلقین کرائی گئی۔ ''خذوا عنی مناسککم'' ''مجھ سے حج کے مسائل دریافت کرو''۔ کیونکہ

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلم داشتن

ہر مومن کا وظیفہ ٹھہرا اور اس راہ کے راہی ہر دور میں صلحاء وصدیق رہے ہیں۔

اور اس طرح سارے جہاں کے فوائد ومنافع کے لیے اس راہ کو کھولا گیا۔ اور بتایا گیا کہ صلائے عام ہے تشریف لائے جو راہ پائے:

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا''۔ (آل عمران: ۹۷) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے''۔ اور روز اول سے دعاء خلیل اور نداء حبیب وجلیل کی عملی تصویر ہر روز اور ہر سال انظار عالم کے مشاہدہ میں ہے:

''فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ'' (ابراہیم: ۳۷) پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں''۔

اور یہ نعرۂ مومنانہ اور تکبیر موحدانہ خالق ومالک کی عطا کردہ وسیع فضاؤں اور اس کے قدرت کاملہ کی نشانی دشت وجبل کی چوٹیوں میں رہتی دنیا تک گونجتی رہے گی۔

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک اے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، تیرے پاس حاضر ہوں، بیشک تعریف نعمت اور ملک تیرا ہی ہے۔ اور تیرا کوئی شریک نہیں۔

الغرض سعادت مند روحوں اور نفوس عالیہ کے لیے چین وسکون کا مقام عظیم مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے جہاں پہنچ کر ان کو قلبی وروحانی سکون واطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور ان خوش نصیبوں میں ان کے نام کا اندراج ہو جاتا ہے جو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی پاداش میں مجرم وملزم ہونے کے باوجود ایک نو مولود معصوم بچے کی طرح گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہر قاصد بیت اللہ اور حاجی کعبۃ اللہ کو اس شرف سے بہرہ ور فرما۔

حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ یہ عبادت جتنی پیاری اور محبوب اور سودمند ونفع بخش ہے۔ اسی طرح اسے بار بار فرض بھی ہونا چاہئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت وعنایت سے اسے بشرط استطاعت زندگی میں ایک مرتبہ فرض کیا۔ اور ''لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل''، کے مژدۂ جانفزا سے شاد کام بھی فرما دیا ہے۔ اس لیے ہر سال اور بار بار حج لازم وفرض نہ ٹھہرا اور بوجوہ ہر سال اس کا کرنا خاص حالات میں بہت ضروری اور بہتر نہیں ہے جیسا کہ بعض محبین ومخلصین احباب بصد حیل ومکر ہی سہی حج میں ہر سال جانے کی ہابی بنائے ہوئے رہتے ہیں۔ اور دیگر متعلقہ حوائج وعوائق لازمہ کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں بلکہ اس پر شدید طنز وتعریض، نکتہ چینی اور اعتراض جتلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ہر طرح کی نزاکتوں کا بسا اوقات علم بھی ہوتا ہے۔ اور سفر جو نوع من السقر ہے کی ادنیٰ تکلیف پر واویلا مچاتے ہیں اور بدنظمی کا شاخسانہ بھی کھڑا کرتے ہیں۔ اے کاش کہ ہم سب حالات کا صحیح اندازہ کرتے اور ایک دوسرے خصوصاً منتظمین ومرتبین، حکام واہل کار اور حجاج وقاصدین کی مجبوریوں اور ہم وغم کو سمجھتے تو ان سب کی نوبت ہی نہ آتی۔

الغرض امسال اللہ جل شانہ نے حج جیسی عظیم الشان عبادت کی ادائیگی کا موقع غیب سے راقم کو مرحمت فرما دیا۔ فللہ الحمد والشکر فی الاولیٰ والآخرہ۔ اور اچانک یہ پرمسرت خبر سامعہ نواز ہوئی کہ وزارۃ الحج مملکت سعودی عرب کی طرف سے ''ندوۃ الحج الکبریٰ'' ''عظیم الشان حج سیمینار'' میں شرکت اور ادائیگی مناسک حج کا قرعۂ فال غالباً مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے حصے میں ۴۴ سالہ عرصہ میں پہلی بار آیا ہے۔ اور راقم کے نام سے آیا ہے۔ اور کل ہی سفر ہے۔ ٹکٹ حاضر ہے۔ ویزہ کا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ اس سعادت کا اس عجلت کے ساتھ حاصل ہونا نعمت غیر مترقبہ عاجلہ سے کم نہ تھا، مگر انسان اور خاص طور پر ہم جیسے کمزور اور بے سروسامان کے لیے زاد راہ کی فکر اور ہم وغم سے زیادہ مقیمین ومتعلقین کے توشہ وحاجت براری کا غم کھانے لگتا ہے۔ سامنے مسائل ومشکلات کے انبار ہوں تو ان ہجوم مسائل ومشاکل میں جینے کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر ان حالات میں بدرجہ اضطرار میدان کارزار سے الگ ہو جانا بھی فرائض ومشکلات اور مسائل سے راہ فرار اختیار کر لینے کا کم از کم الزام دھر دیا جاتا ہے۔ ایسے میں نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس شش وپنج اور کشمکش میں اضافہ کی وجہ ملکی وملی خصوصاً جدید مسائل سنگ میل نہیں سنگ راہ بنے ہوں تو مجبوریوں کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ ہوگا۔ موجودہ حالات میں نئے سنگین حالات کے شانہ بشانہ قدیم مسائل اپنی قدامت اور پیچیدگی کی وجہ سے اور ابتر صورتحال سے دوچار ہوں تو نشہ دو آتشہ ہو جاتا ہے اور

ایک نہ شد دو شد والے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہمارا ماننا ہے کہ الزام غیروں کے سر دھرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم صاف صاف اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر نادم ہوں اور صحیح یہی ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ سب حالات ہمارے پیدا کئے ہوئے ہیں اور یہ خود کردہ را علاجے نیست کے قبیل سے ہیں جبکہ ہمارے محسن و پالنہار رب نے بھی ہمیں یقین دلایا ہے۔ ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ''(الشوریٰ:۳۰) تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے، اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمالیتا ہے''۔ ورنہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی کہیں اس سے زیادہ سزاؤں کی سزاوار بناتی ہے۔

''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ، اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ''(الانبیاء: ۸۷) ''الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں ہوگیا''۔

چنانچہ ان تمام رکاوٹوں اور ضرورتوں کے باوجود احباب کے مشورے، مکان وزمان کی محبت وعظمت، ان سب حالات کی درستگی اور سب کے حق میں بہتری کے لئے بہ آہ وزاری اور تضرع وانکساری دعا کرنے کی نیت سے میں حج بیت اللہ کے لئے نکل پڑا، اور وہاں کے روحانی ماحول اور مقدس مکان وزمان اور مبارک ومستجاب فضاؤں میں دل کی گہرائیوں سے ملک وملت اور انسانیت کے لیے خوب رقت آمیز دعائیں کیں۔ ملک وملت کی سالمیت وحفاظت اور تعمیر وترقی کی دعا کی تو اقوام عالم اور دیگر ممالک وبلدان کے لیے بھی اللہ رب العالمین کے دربار میں ہاتھ پسر گئے۔ دنیا کے مظلومین کے لیے ہاتھ اٹھے تو ظالموں اور کج کلاہوں کی ہدایت اور توبہ وانابت کے لیے بھی ہونٹ ہلنے لگے۔ اور اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون کہ اے اللہ تعالیٰ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ ناواقف ہے، کا اسوۂ محمدی دعاؤں کی شکل میں ڈھلتا اور نکلتا رہا، مگر ذات، جماعت وجمعیت اور ملک وملت اور انسانیت کے بدخواہوں اور ظالموں کے لیے بلا کسی فرد جماعت اور ملک وملت کو ذہن ودماغ میں جگہ دیئے بیساختہ وبرجستہ اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم ''اللہ تعالیٰ ہم تجھی کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری ہی پناہ چاہتے ہیں'' کا ورد بھی زبان پر جاری ہوگیا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے دل بھر آیا تو غریبوں، اجنبیوں اور غیروں کے لئے بھی جذبات نے اُبال کھایا اور رب کی رحمتِ بیکراں سے سیراب کردینے کی آرزو والتجا بار بار دہرایا کہ اس کے خزانے میں ادنی کمی یا تفریط وتفریق کہاں ہے؟ وہ تو رب العالمین ہے۔

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست
چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

دراصل حج جس طرح جامع عبادات مالیہ وجسمانیہ وروحانیہ اور ظاہریہ وباطنیہ وغیرہ ہے اسی طرح جامع اخلاقیات وسلوک اور معاملات وغیرہ بھی ہے اور اس کا ہر ہر عمل اور اس کے تمام مناسک واحکام، تعلیمات وآداب، احلال واحرام، وقوف وقیام، مبیت ومنام، ادعیہ واذکار، اوراد ووظائف اور تلبیہ وتکبیر غرضیکہ اس کا ہر ایک لمحہ اور مقام اسلامی زندگی کے تمام اعلیٰ اقدار واخلاق اور بلند اعمال وکردار کا درس دیتا ہے اور مواسات وہمدردی، اخوت وبھائی چارہ اور انسانیت نوازی کا خوگر بناتا ہے۔ انسانی معاشرے اور دنیاوی زندگی میں تمام اعلیٰ قدروں اور اخلاقی اصولوں اور ضابطوں کو برتنے کے باوجود باہم سلامتی، اطمینان اور خوشگوار زندگی مل جل کر گزارنے کے لیے صلہ رحمی جہاں ایک فریضہ ہے وہیں تسامح ودرگزر، نرمی اور ایک دوسرے کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ہر معاملے میں عفو ودرگزر، رواداری اور حسن معاملات اور ایک دوسرے کے ساتھ اچھائی اور بھلائی اور خیر وخوبی سے پیش آنا بھی اسلام کی اہم تعلیمات اور بہترین ملک ومعاشرے کے مطالبات اور تقاضے ہیں۔ حج حقیقت میں اسی باہمی تسامح اور مل جل کر کے خوش گوار زندگی جینے کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے اور ہر ایک حج ادا کرنے والے کو اس کا خوگر بناتا ہے۔

بہر حال وزارت الحج سعودی عرب نے امسال اپنے چوالیسویں عظیم الشان حج سیمینار ''ندوۃ الحج الکبریٰ'' کے لیے بہترین اور لائق مبارکباد عنوان متعین فرمایا تھا جو ''الحج تسامح وتعایش'' سے معنون تھا۔ جس پر ہم ان کو مبارکباد وشکریہ پیش کرتے ہیں اور پورے حج اور ندوۃ الحج الکبریٰ کو عالیجناب وزیر الحج، ان کی پوری ٹیم، دیگر وزارتوں اور رئاسۃ عامۃ لشؤن الحرمین، پوری سعودی حکومت، اس کے علماء کرام ومشائخ عظام اور بہترین عوام نے ہر ہر قدم اور ایک ایک لمحہ جس طریقے سے حج کو تسامح وتعایش کا عملی نمونہ بنادیا تھا اس پر ہم تمام حجاج کرام اور عالم اسلام مشکور وممنون ہیں۔ خصوصا خادم حرمین شریفین ملک سلمان بن عبد العزیز آل سعود۔ ولی عہد عزت مآب شہزادہ محمد بن سلمان آل سعود ایدھما اللہ بنصرہ العزیز، امیر مکہ عزت مآب شہزادہ خالد الفیصل آل سعود اور عزت مآب وزیر الحج ڈاکٹر محمد صالح بن طاہر بنتن اور ان کے نائب عزت مآب ڈاکٹر عبد الفتاح بن سلیمان مشاط وفقہم اللہ کو اس کامیابی اور بحسن وخوبی انجام

دہی پر شکریہ وتبریک پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسی طرح بہترین خدمت حرمین شریفین کی مزید بہترین توفیق ارزانی فرمائے۔

اس ضمن میں یہاں اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ اس ندوۃ الحج الکبریٰ کے اہم ومعتبر مقالات اور تجاویز وقرارداد کو منظر عام پر لاکر افادۂ عامہ کا سامان بہم پہنچایا جائے اور خود اس سلسلے میں حکومت سعودی عرب اور اس کی وزارتوں، علماء، ماہرین اور خدام کے جو طموحات، جذبات، تجربات اور بہترین منصوبہ جات جو اللہ کے مہمانوں کی راحت وسکون اور خدمت حرمین کے لیے ہیں، اسے جلد از جلد بروئے کار اور منظر عام پر لایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ مملکت سعودی عرب ضرور اس طرح کے منصوبوں اور بہترین لوائح عمل کو ہمارے ظن وتخمین سے بھی زیادہ سرعت سے بروئے کار لاتی ہے لیکن ہمارے لیے انتہائی خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ حکومت اس قدر تسہیلات اور عمدہ وبہترین انتظامات کے باوجود وہم وگمان سے زیادہ آئندہ کے لیے بہترین منصوبے اور پلاننگ رکھتی ہے۔ بایں ہمہ حجاج بیت اللہ اور مشاعر ومقدسات کی تعظیم وتکریم اور تحسین وتزئین اور تسہیل وتنظیم کے انتہائی فکرمند ومتجسس رہتی ہے۔ **فجزاهم الله خيرا.**

دراصل اسی جوہر وکردار نے ان کو حرم کی پاسبانی، اس کی خدمت گزاری اور اس کے ساتھ وفا شعاری اور دلداری اور جانثاری وفداکاری کی دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض رضائے رب کی موسلا دھار بارش اور رحمتِ الٰہی کی بزرگ ترین نوازش اور اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے جس پر جتنا شکر بجا لائیں کم ہے۔ سچ ہے:

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

اور حقیقت میں ہم اس وقت آل سعود اور علمائے سعودیہ اور وہاں کے عوام کی زبان سے جب کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ یہ محض اللہ کی توفیق اور اس کا فضل ہے تو ہماری خوشی ومسرت اور ان کے تئیں عقیدت ومحبت کا جذبہ فراواں بھی موجزن ہوجاتا ہے اور زبان پر بے ساختہ وبرجستہ جاری ہوجاتا ہے۔ ''**ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ**'' (الجمعہ:۴) ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے''۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

منی، عرفات، مزدلفہ، سعی صفا ومروہ، زم زم، جمرات وہدی وقربانی، مکہ مکرمہ اور مدینۃ النبی علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام ودیگر اماکن مہمہ اور اس کے راستے اور گلیاں، توجیہ وارشاد، حکومت وانتظامیہ اور اس کی پولیس میں جو تحسینات وبہتری لائی گئی ہے وہ صد آفرین ہے۔ جمرات، عرفات، منی اور مسعی ومطاف و دیگر مقامات جن پر آئے دن اقوام عالم سے آئے ہوئے حجاج جن میں بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور چھوٹے سے چھوٹے غریب وحقیر، بڑے سے بڑے حکام اور ادنیٰ عوام، کالے اور گورے، چھوٹے اور بڑے جنکی زبانیں جدا جدا، جن کے اخلاق الگ الگ، جن کے ریت ورواج جداگانہ، جن کی عادات واطوار علیحدہ اور جن کی نشست وبرخاست، خورد ونوش اور بود وباش کے طریقے میں واضح فرق بلکہ بسا اوقات تضاد واختلاف کے باوجود جس طرح لوگ ازدحام والتحام کے اماکن نیز باعث تصادم وٹکراؤ میں سبب حوادث بنتے تھے ان سب جگہوں میں جس ہمت وحوصلے، بصیرت وبصارت، اجتہاد وفقاہت اور ناخن تدبیر اور صناعت وحرفت اور جدید وقدیم تجربات اور مخترعات اور وسائل وذرائع کو بروئے کار لاکر کے یہی نہیں کہ حج کو مامون ومحفوظ، سہل ومیسور، سراپا مسرت وشادمانی اور سکون روحانی وجسمانی اور عبادتِ رحمانی وربانی کے حقیقی لائق حال کردیا ہے بلکہ انسانی قوت وامکان کی حد تک ان تمام خدشات اور اندیشوں کو بھی اللہ کی توفیق سے مسدود ومعدوم کردیا ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ حادثے اور خطرے کا وہم وگمان بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اللہ جل شانہ ان سب کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ اور اپنی توفیقات عظیمہ اور فضل واحسان اور عنایات کریمہ کے ذریعہ حاسدین کے حسد، مکاروں کے مکر اور دشمنوں کی چال اور اعداء کے قہر وجبر سے حفاظت فرمائے۔

جمرات جہاں حجاج کرام کی بسا اوقات بے ترتیبی، جذباتیت اور شیطان رجیم کو کنکری مارنے نہیں پتھر اور چپل برسانے کے جوش میں ماضی میں جو حوادث عبر القرون پیش آتے رہے ہیں سعودی حکومت نے اس کی توسیع اور تسہیل کا ایسا عظیم الشان، بے مثال اور بے نظیر اور تصور سے بالاتر چھت در چھت اور وسیع سے وسیع تر انتظام فرما دیا ہے اور ازدحام کے اوقات کے لیے جو اس کے بہترین ترتیبات وانتظامات کو اس کے مخلص، محنتی، ہمدرد وجانثار فوجی اور سپاہی عملی طور پر کہیں سد سکندری بن کر، کہیں سیل رواں ہوکر اور کہیں عبید وغم گسار بن کر اور کہیں رعنا ورعب دار جوان دکھائی دیتے ہیں تو کہیں ریشم کی طرح نرم اور مشفق ومہربان باپ کی طرح سرگرم بن کر اعلیٰ اخلاق، حسن انتظام اور قول وکردار کا نمونہ پیش فرماتے ہیں اس پر ہر حاجی سو سو جان سے قربان ہوا چاہتا ہے۔ **اللهم زد فزد**

ایک زمانہ تھا جب مرغزار عرب میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ حج کے راستے محفوظ نہیں رہ گئے تھے۔ حجاج ومعتمرین لوٹ لیے جاتے تھے۔ لیکن

کتاب وسنت کے شیدائی اورامن وانسانیت کےعلم بردارسعودی حکمراں جب راسخین فی العلم علماءاورموحدوتقوی شعارعوام کی تائیدومدد سے اقتدار میں آئے تو بلدامین کی عظمت رفتہ اورامن وشانتی واپس آگئی اورحجاج ومعتمرین اور زوارحرمین شریفین اورعوام کواپنے جان ومال کے سلسلے میں ادنی خوف واندیشہ باقی نہیں رہ گیا پھرساری دنیا سے لوگ جوق درجوق آنے لگےاورحج وعمرہ کی سعادت اورحکومت سعودی عرب کی راحت رسانی وخدمت گزاری سے فیضیاب ہونے لگے۔اورآج حال یہ ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ بعض مخالفین کی دسیسہ کاریوں اورعالمی طاقتوں کے پیداکردہ حالات نے کمزوردلوں کو بلاوجہ اندیشوں میں گرفتارکررکھا ہے اپنے سابقہ رکارڈوں کوخودتوڑتے ہوئے اس قدرپرامن اورآرام دہ حج وعمرہ کی ادائیگی اورپورے سکون وشانتی کے ساتھ موسم حج کا اختتام محض اللہ تعالیٰ کے فضل اورسعودی حکومت،انتظامیہ،علماءاورعوام کی خداترسی،فکررسا،قوت عزم وحزم،خوش اخلاقی،بلندکرداری،اعلیٰ درجے کی فیاضی اورفزوں ترجذبہ خدمت ضیوف الرحمٰن کی برکت اوررہین منت ہونے کے سوا اور کیاہوسکتاہے جدھر دیکھو اشیاء خوردونوش کی فراوانی ہے۔حجاج ومعتمرین کی راحت رسانی کاحسن انتظام ہے۔ادویہ وعلاج ومعالجہ کی فراوانی ہے،علماء ومشائخ مجالس پندونصیحت اورارشاد ورہنمائی آباد کئے ہوئے ہیں، پولیس انتظامیہ پوری طرح چوکس ہےلیکن دوستانہ ماحول میں اپنی ڈیوٹی نبھارہی ہےاورڈرون کیمروں اوردیگرذرائع سے حجاج ومعتمرین کے سیلاب کی نگرانی ورکھوالی ہورہی ہے۔عام خدام ہیں کہ حاجیوں کی حاجت روائی اورخدمت میں بچھے ہوئے ہیں۔دنیاسے نہ صلے کی تمنا ہے نہ داد کی پرواہ۔مگرہاں اتنا یقین واذعان ضرورہے کہ ان اجـری الا عـلـی الـلـه نیزضیوف الرحمٰن کی خدمت ہورہی ہے۔توسب کچھ حاصل ومطلوب ہے۔

یہی حال حرمین شریفین کی خدمت اورحسنِ انتظام وانصرام کی طرح دیگر مناسک ومشاعراوراماکن حج کا ہےجن کا ذرہ ذرہ سعودی حکومت کی فکرمندی، احساس ذمہ داری،جدید تقاضوں سے آگاہی،ایثار وقربانی،حسن انتظام و اہتمام،جذبہ خدمت دین ودین داران،دینداری،اطاعت شعاری،کتاب وسنت کی پاسداری،مہمان نوازی اورانسانیت نوازی کی گواہی دیتا ہے۔اور حجاج ومعتمرین اورزائرین کے دل سےمملکت سعودی عرب کی حکومت وعوام کے لیے بےساختہ دعانکلتی ہے۔کاش کہ ہم مسلمان اس نعمت عظمیٰ کی قدرکرتے اورحرمین کے لائق حال مقال واقوال اختیارکرتے تو ہمیں اس شکرانے پرمزید بہتری وسہولت حاصل ہوتی۔" لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ." (ابراهيم:۷)

**اللهم وفقهم لما تحبه و ترضاه وخدمة هذا الدين والبلد الامين وخدمة كتابه المبين وسنة رسوله الأمين وجميع المسلمين وسائر العالمين، يارب العالمين.**

---

موجودہ حالات میں مختلف امورکولےکرجس طرح سے پروپیگنڈوں، افواہوں،اندیشوں،خدشات اورمایوسی کواجاگرکیا جارہا ہےان کے سلسلے میں ملک وملت،انسانیت اورتمام اہل وطن کی بہتری اوربھلائی کی خاطرسنجیدہ،ہوشیار اورچوکنارہنے کی اپیل کی جاتی ہےاوربہرحال امن وشانتی،آپسی بھائی چارہ، قومی یک جہتی،خودداری وروا داری،اورہمدردی وغمگساری کاماحول بنائے رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

جان لیجئے! ہروہ قدم جس سے دشمنوں،طالع آزماؤں،سادہ لوحوں، منافقوں اورحاسدوں کوکسی طرح کی بدامنی پھیلانےاورطالع آزمائی کاموقع ملتا ہو،اس سے بازرہنا ہرشہری کا فرض ہے۔خواہ وہ بھارت کے اٹوٹ حصہ خوبصورت کشمیر اورہندوستانی کشمیری بھائیوں کامعاملہ ہویا اس کی دفعہ 370 کے خاتمے کا معاملہ یا این آرسی کوپورے بھارت میں اقلیتوں اورمسلم مخالف باورکرانے کا شاخسانہ وخدشہ،یابابری مسجد کے استعماری قضیۂ نامرضیہ کے بارے میں آنے والے عدالتی فیصلے پرسوالیہ نشانات اوراندیشے وخدشات کے سلسلے میں ہوّا کھڑا کرنے کی بات یاطلاق اورپرسنل لاء کے دیگرمسائل۔ سب میں ہم تمام ہندوستانیوں کوباہم اعتماداوراعتبارکےساتھ رہنےاورمسائل کو امن وشانتی،نہایت سنجیدگی اورانتہائی خوبصورتی کے ساتھ سمجھنے اور برتنے کی ضرورت ہے۔خصوصاًاین آرسی اوراین پی آرکےسلسلے میں تمام مطلوبہ کاغذات کی تیاری ابھی سے کرلیں۔مایوسی جوکفرہے،نہ اُسے درآنے دینا چاہیےاورنہ ہی جذباتیت کواپنے اندرراہ پانے کا موقع فراہم کرنا چاہیےاورنہ کسی طرح کی اشتعال انگیزی کا شکارہونا چاہیے اور پوری قوت وایمان اورفراست وحکمت سے آئین ودستور اورحب الوطنی کی روشنی میں حالات کا سامنا کرنا چاہیے اوریہی باعث مصلحت ومنفعت ملک وملت ہے اوراسی میں سب کی بھلائی مضمرہے۔

☆☆☆

# عاشوراء محرم روز عید یا روز غم و ماتم؟

از: حکیم ابوالحسن عبیداللہ رحمانیؒ

محرم عربی، اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ جو اللہ پاک کے دین میں سراپا حرمت وعظمت و برکت کا مہینہ ہے۔ اسی طرح قمری سال کے بارہ مہینوں میں رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے بھی معظم اور محترم قرار دیئے گئے ہیں۔ اسلام چونکہ اللہ کا دین قدیم ہے، اس لیے تمام اگلی شریعتوں میں بھی ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت مسلم رہی ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (سورۃ التوبہ:۳۶)

''بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ہے۔ نوشتہ خداوندی میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ دین قدیم یہی ہے۔ پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو''۔

عرب جاہلیت کے لوگ جو خود کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے۔ وہ بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور اس میں باہم قتل وقتال یا لوٹ مار اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے سے اجتناب کرتے اور اگر وہ ان حرمت والے مہینوں میں کبھی قتل وقتال یا لوٹ مار کا ارادہ کرتے تو بھی کم از کم ان مہینوں کی ظاہری حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر سے کام لیتے تھے۔ مثلاً محرم میں قتل وقتال کی ضرورت پیش آ گئی تو اپنے سرداروں سے اعلان کرا دیا کہ امسال صفر کا مہینہ پہلے اور محرم کا مہینہ اس کے بعد ہوگا۔ یعنی محرم کی حرمت کا قرض ماہ صفر میں ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل کو ''نسی'' کہا جاتا تھا۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ (سورۃ التوبہ: آیت ۳۷)

''یقیناً ''نسی'' کا عمل کفر میں زیادتی ہے۔ جس کے ذریعہ کافر لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں۔ اسی کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کریں اور حلال کر لیں، اس چیز کو جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، ان کے لیے ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

یوں تو ماہ محرم اول تا آخر، حرمتوں، برکتوں اور عظمتوں سے بھرپور ہے، لیکن اس کی دسویں تاریخ جسے ''عاشورا'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مستقل ایک شرعی حیثیت ہے کہ اسی روز سعید میں اللہ رب العزت نے جناب موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے مسلمانوں نے اس دن کو شکر وسپاس اور خوشی کا دن قرار دے کر روزہ رکھا۔ روزہ کا حکم مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد ہوا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عاشورا کا روزہ غایت درجہ اہتمام سے رکھا کرتے تھے، لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد عاشورہ کے روزوں پر پہلے جیسا اہتمام تو نہ رہا، لیکن بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر عاشوراء کا روزہ رکھا۔ مدینہ میں یہود بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت کیا کہ تم لوگ کیا سمجھ کر یہ روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر فتح عطا کی تھی۔ تو حضرت موسیٰ نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں کہ اس شکر وسپاس میں موسیٰ کی ہمنوائی کروں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لئن عشت القابل لا صومن العاشوراء ویوم التاسع" اگر میں آئندہ سال بقید حیات رہا تو میں نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا اور ایک روایت میں ہے۔ صوموا یوم التاسع والعاشر واحدی عشر "تم نویں، دسویں، گیارہویں تاریخ میں روزہ رکھو''

یہ رہی اس ماہ مبارک ومحترم کی اصل شرعی حیثیت کہ یہ دن اللہ کی نعمت کے شکر و سپاس کا ہے، نہ کہ غم واندوہ اور گریہ وماتم کا۔ اب یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ آئندہ اسی روز سعید کو ۶۰ھ میں ایک انتہائی اندوہناک اور غم انگیز واقعہ کربلا بھی پیش آ گیا، جس میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام اعوان وانصار نے ظالم اور بے رحم دشمنوں کے ہاتھوں شہادت پائی، لیکن عاشوراء کے دن اس واقعہ کربلا کے پیش آ جانے سے اس کی اصل شرعی حیثیت تو نہیں بدلی جا سکتی۔ دین وشریعت کی تکمیل تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں ہو چکی اور ہر دینی وشرعی چیز کی دینی وشرعی حیثیت بالکل متعین ہو چکی، جسے بعد میں پیش آنے والے حالات وواقعات تبدیل نہیں کر سکتے۔ ''اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا '' (سورۃ المائدۃ:۳) ترجمہ آج میں نے تمہارے

لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (شریعت و دین) تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا''۔

لہذا عاشوراء محرم الحرام کو عزاء داری اور گریہ و ماتم اور سینہ کوبی سے تبدیل کرنا سراسر دین و شریعت پر ظلم اور بے راہ روی اور بے دینی ہے۔ اہل اسلام کو ایسی لغو اور بیہودہ رسموں سے پرہیز لازم ہے۔ جب احکام الٰہی کا پاس ولحاظ اٹھا دیا جائے تو محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور جب رسول کی رسالت ہی کا پاس و احترام باقی نہ رہا تو رسول کے اہل بیت سے دعویٰ محبت کیا چیز رہی؟ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نواسۂ رسول ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں، لہذا شرفِ رسالت، اللہ کی نسبت سے ہے جب اللہ نہیں تو رسول کس کا؟ اور جب رسول نہیں تو اہل بیت کس کے؟ اور اللہ و اس کے رسولؐ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس دین اور شریعت کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت بھیجا ہے، اس کا پوری طرح پاس ولحاظ کیا جائے۔

یوم عاشوراء اسلامی تاریخ میں خوشی اور شکر کا دن قرار دیا گیا ہے۔ اب ہمیشہ یہ دن اسلام کی نظر میں خوشی اور شکر کا ہی دن رہے گا۔ جیسے عید الفطر و عید الاضحیٰ کے ایام خوشی اور شکر کے دن قرار دیئے گئے۔ لہذا ان ایام کو گریہ و ماتم و رنج و الم کے ایام قرار دینا سراسر کفران نعمت ہے۔ خواہ ان میں کیسا ہی غم انگیز حادثہ رونما ہو جائے، لیکن ان ایام کی مستقل حیثیت وہی رہے گی جو اسلام نے ٹھہرائی ہے۔ بعض مشرک اقوام اپنے مذہبی تہواروں میں اپنے کسی عزیز کے فوت ہو جانے پر چند سالوں تک خوشی نہیں مناتے، لیکن وہ بھی مستقل طور پر ہمیشہ کے لیے ان تہواروں کو غم کا دن قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کی اصلی حیثیت کے مطابق ان کو خوشی کا دن ہی سمجھتے ہیں، لیکن افسوس کہ امت مسلمہ کے ایک طبقہ نے عید عاشوراء کو مستقل طور پر غم و الم کا دن قرار دیا ہے۔

## شہداء کربلا پر ماتم کیوں؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ۶۱ھ میں کربلا کے مقام پر ظلماً شہید کئے گئے۔ اگر ہم واقعتاً انہیں شہید جانتے اور مانتے ہیں اور اس قرآنی حقیقت پر ہمارا یقین ہے کہ جو لوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں وہ مردہ نہیں زندہ ہیں اور اپنے رب کے نزدیک روزی پاتے ہیں۔ (سورہ آل عمران: ۱۶۹) تو ان پر سال بہ سال نوحہ خوانی اور گریہ و ماتم کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا رسول پاک کے ہمراہ بدر و احد میں لڑ کر شہید ہونے والوں میں سے کسی ایک پر بھی گریہ و ماتم کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یا آپ کے بعد سمجھی گئی؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اسی لیے تو کہ وہ زندہ ہیں اور زندوں کے لیے گریہ و ماتم نہیں کیا جاتا اور اگر یہ کہا جائے کہ جنگ بدر اور احد کے شہداء کفار و مشرکین کے ہاتھوں قتل ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تو حضرت عثمان غنی و علی و حسن رضی اللہ عنہم بھی تو نام نہاد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے تو ان پر گریہ و ماتم کیوں نہیں کرتے؟ کیا اسلامی غزوات کی تاریخ میں کوئی ایک بھی شہادت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یا آپ کے بعد ایسی نہ تھی کہ اس کے لیے آنسوؤں کے چند قطرے بہائے جاتے، کیا دور رسالت کے شہداء جن کی شہادت کی تصدیق قرآن پاک نے کر دی ہے وہ بھی اس لائق نہیں تھے؟ ضرور لائق تھے، لیکن دین اسلام میں شہادت مومن کے لیے ایک اعزاز و انعام ہے۔ مصیبت و غم نہیں، اللہ پاک نے شہادت کو شہداء پر اپنا ایک عظیم انعام و احسان قرار دیا ہے۔ ''اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ۔ (سورہ آل عمران: ۱۴۰)

(اگر راہ خدا میں) تم کو زخم آتے ہیں تو اس قوم (مشرکین) کو بھی تو ویسے ہی زخم آتے ہیں، اور تکالیف اور شدائد کے ان دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان پلٹتے رہتے ہیں اور ایسا اس لیے بھی ہوتا ہے تا کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت عطا فرمائے''۔

پس جب مومن کے لیے شہادت اللہ کا عطیہ اور گرانقدر بخشش ہے تو اس پر گریہ و ماتم کرنے والے دشمن ہی ہو سکتے ہیں۔ دوست نہیں ہو سکتے۔ یا پھر وہ پوری اسلام سے کم از کم ایک ہی مثال پیش کی جائے کہ کسی بھی شہید اسلام کے لیے یہ طریقہ روا رکھا گیا ہے۔

شریعت اسلامی کی رو سے تو عام اموات پر بھی تین دن سے زیادہ سوگواری جائز نہیں، صرف عورت اپنے خاوند کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔

لیکن نوحہ خوانی اور ماتم کی تو سرے سے اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ نبی پاک کا ارشاد ہے: ''لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب و دعی بدعوی الجاهلیة'' وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبانوں کو پھاڑے اور عہد جاہلیت کا آوازہ بلند کرے یعنی واویلا پکارے۔ (بخاری و مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: النیاحة من عمل الجاهلیة'' نوحہ خوانی کفر و جاہلیت کے دور کا عمل ہے۔ لہذا تذکرۂ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نوحہ خوانی، ماتم و گریہ کی رسم، حب حسین اور حب اہل بیت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ سراسر حسین کے نانا جان کے حکم صریح کی خلاف ورزی ہے اور شریعت اسلامی کی رو سے بدعت و ضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کم از کم اہل سنن کو جنہیں پیروی سنت رسول کا دعویٰ ہے اس بدعت سے باہر آ جانا چاہئے۔

اول تو اس تاریخی دن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب سے روزہ رکھنے کے سوا کوئی دوسرا عمل یا کسی تقریب کا انعقاد ثابت نہیں، لیکن اس دن کی شرعی حیثیت کی مناسبت سے اگر کوئی تذکرہ موزوں اور مناسب بھی ہو سکتا ہے تو وہ جہاد موسوی اور فرعون و آل فرعون پر ان کی غلبہ عطا کئے جانے کا۔ نہ کہ تذکرہ شہید کربلا۔ واقعہ کربلا اپنی جگہ کتنا ہی اہم سہی، اس کے تذکرہ کے اور بھی مواقع ہو سکتے ہیں، لیکن عاشوراء کی شرعی حیثیت سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ لہذا یوم عاشوراء سے اس بدعت کو ختم کیا جانا چاہئے۔

☆☆☆

از: مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ

# محرم الحرام، حادثۂ کربلا اور مسلم قوم

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے ''حرمت والے مہینے'' قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں (بخاری کتاب التفسیر سورہ براۃ)

اسی مہینے سے ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ ہجری سن کا استعمال رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔ اس سے پہلے لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہجرت اور وفات کے درمیانی سنین کو خاص خاص نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ مثلاً ہجرت کے بعد والے پہلے سال کو ''سنہ اذان'' دوسرے کو ''سنہ امر بالقتال''، تیسرے کو ''سنہ تمحیص''، چوتھے کو ''سنہ ترفئہ'' پانچویں کو ''سنہ زلزال''، چھٹے کو ''سنہ استیناس''، ساتویں کو ''سنہ استغلاب''، آٹھویں کو ''سنہ استوار''، نویں کو ''سنہ براۃ''، دسویں کو ''سنہ وداع'' کے نام سے یاد کرتے تھے، لیکن ظاہر ہے اس طرح سنین کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب کہ وہ یمن کے گورنر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کرام سے مشورہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کو اسلامی سنہ کی ابتداء قرار دے کر اسلامی سنین کا شمار شروع کیا اور چونکہ ۱۳ نبوت کے ماہ ذی الحجہ کے اواخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا عزم کرلیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند نکلا وہ محرم کا تھا۔ اس لئے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مشورہ سے محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ (فتح الباری کتاب مناقب الانصار باب التاریخ، تحت حدیث ۳۹۳۴ رحمۃ للعالمین جلد ۳، باب ہشتم)

دین کی حفاظت وصیانت اور اس کی سربلندی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنا آبائی وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف جو ہجرت فرمائی تھی اور جس کی اقتداء آپ کے جاں نثار مہاجر صحابہ نے کی تھی۔ یہ ہجری سن ہمیں اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے اور اگر دینی حس بیدار ہو تو دین کی بقاء وسربلندی کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اور یہ ماہ محرم الحرام جسے اسلامی سن کا پہلا مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ اس کی دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرام نے روزہ رکھا ہے اور اس دن کے روزہ کو ایک خصوصی فضیلت والا روزہ قرار دیا ہے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت سے پہلے محرم کی دسویں تاریخ (یوم عاشوراء) کا روزہ فرض تھا، بعد میں یہ روزہ فرض تو نہیں رہا، لیکن اس روزے کی مشروعیت برقرار رہی۔

اس دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کی وفات پر نصف صدی کا عرصہ گزار جانے کے بعد محرم ۶۱ھ میں وہ واقعہ پیش آیا جو واقعہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو اسلامی تاریخ کا مشہور ترین واقعہ بن گیا ہے اور جس واقعہ نے استحقاق سے زیادہ ہمیں اپنی طرف کھینچا اور ضرورت سے زیادہ ہمیں الجھایا ہے۔ اس واقعہ کا حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ اس کو نیکی وبدی، یا جمہوریت وملوکیت کی لڑائی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ قطعاً بے بنیاد ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں، اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مقابلہ یزید کی سیرت وعمل سے کیا جائے تو جگر گوشۂ رسول کا پلہ نیکیوں میں بھاری رہے گا اور اس میں بھی کلام نہیں کہ یزید نے اپنے افعال سے اسلام میں ملوکیت کی بنیادوں کو مستحکم کیا، لیکن ہم یہ ماننے سے قاصر ہیں کہ یہ لڑائی نیکی وبدی کے درمیان تھی، یا اگر حضرت حسینؓ کامیاب ہوجاتے تو حکومت کا جو ڈھنگ سامنے آتا وہ جمہوریت کا ڈھنگ ہوتا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ تھا کہ خلافت کی تقسیم بربنائے اقربیت ہونی چاہیے، بربنائے انتخاب ومشورہ نہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی بربنائے اقربیت ہی اپنے کو خلافت وحکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر یزید صالح اور متقی بھی ہوتا تب بھی وہ اپنے نقطہ نظر کی رعایت سے اس کی بیعت نہ کرتے۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا ہے کہ دو لڑنے والوں میں ایک نہایت متقی وصالح ہے اور دوسرا متہم بفسق وفجور۔

بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت جن واقعات کی بناء پر ہوئی ان کے پیچھے کوئی جمہوری تصور کارفرما نہ تھا، نہ خود وہ تصور ہی اس کا محرک تھا۔ جس کے وہ قائل تھے۔ وہ تو اہل کوفہ کے دھوکے اور غداری سے یکا یک حالات بدل گئے اور ایسا ہوا کہ ان کو یزید کی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمانا پڑا۔

یہ ایک ناخوشگوار حادثہ تھا، جو وقوع پذیر ہوا، اور عواقب وانجام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ امت مسلمہ کے لئے ایک منحوس ترین واقعہ ثابت ہوا۔ اس کے بطن سے بیشمار برائیوں اور گمراہیوں نے جنم لیا اور اس سے بدعات وخرافات کا وہ طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ اس دن کا جو اصل ومشروع کام تھا، وہ بدعات کے اس طوفان میں مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

ماہ محرم کا وہ دن جسے رسول اللہ ﷺ نے روزہ کا دن قرار دیا تھا اور جس دن کا خاص شرعی کام روزہ رکھنا تھا، اس دن روزہ رکھنے کے بجائے بے شمار بدعات وخرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور عوام تو عوام کتنے خواص تک اس دن کی سنت صحیحہ سے بے تعلق ہوکر بدعات وخرافات کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان خرافات کو دینی کام سمجھتے ہیں۔

اب تو صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی حادثۂ کربلا کی یاد شروع ہوجاتی ہے، اور خرافات سے خود کو مستثنیٰ سمجھنے والوں کے حلقوں میں بھی بڑا زور شور پیدا ہوجاتا ہے اور بڑے بڑے ثقہ حضرات تک فضائل محرم وحادثہ کربلا وشہید کربلا سے متعلق بے سروپا روایات کو پورے زور وقوت کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں اور پورا عشرہ تقاریر کا سلسلہ چلتا ہے اور وعظ وبیان کی محفلیں جمتی ہیں۔ ان کی بلا سے روایات بے بنیاد ہوں اور بیان خلاف تحقیق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی اس موضوع پر تحقیقی معلومات سے عموماً عاری ہوتے ہیں۔ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں جذبات کا شکار ہوتے ہیں اور فضائل محرم ویوم عاشورا کی بابت بے بنیاد روایتوں کو صحیح اور حقیقت سمجھتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا کوئی نادر الوجود واقعہ نہیں ہے۔ ان سے بھی بڑے بڑے صحابہ اور اس سے بھی اعلیٰ اعلیٰ مقاصد کے لئے لڑے اور شہید ہوئے، مگر رسول اللہ ﷺ نے، نہ صحابہ کرام نے، نہ ان کے اتباع اخیار نے، نہ ائمہ عظام نے سال بہ سال ان کے تذکرہ شہادت کی محفلیں منعقد کیں، نہ ان کی برسی منائی، نہ ان پر سالانہ عزا وماتم کا کوئی سلسلہ جاری کیا۔ حادثہ کربلا کے بعد ہی کی پیداوار ائمہ کرام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، حسن بصریؒ وپیران پیر وغیرہ ائمہ واولیاء وبزرگان ہیں۔ کیا ان حضرات نے بھی اس حادثہ کے سلسلہ میں وہ سب کچھ کیا جو آج کیا جارہا ہے۔ یا وہ سب کرنے کو کہا جس کا اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کے لفظوں میں:

''جوانان جنت کے سردار کی برسی اس ماہ میں ہر جگہ کے طول وعرض میں منائی جائے گی لیکن کیونکر اور کس طرح؟ اس کے سرخ سرخ خون کی یاد میں نئے نئے سبز رنگ کے کپڑے رنگ کر پہنے جائیں گے۔ وہ بھوکا رہا تھا اس کی بھوک کی یاد میں لذیذ کھانے کھائے جائیں گے اور گھر مزیدار حلوے اور شیرمالوں کے حصے تقسیم ہوں گے۔ وہ پیاس میں تڑپا تھا اس کی پیاس کو یاد کرکے برف اور دودھ ڈال کر اعلیٰ درجہ کے مکلّف شربت تیار ہوں گے اور ان کے کئی کئی گلاس زیر حلق اتارے جائیں گے، اس نے اپنی راتیں رکوع وسجود میں، قیام وتلاوت میں، مناجات وزاری میں بسر کی تھیں اور اس کی برسی منانے والے مٹی کے چراغ، بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے جلا جلا کر ساری رات ایک میلہ اور جشن قائم رکھیں گے۔ اس کے گھر کی معزز خواتین معاذ اللہ موسیقی کا ذکر ہی کیا۔ شاید شاعری کے بھی قریب نہیں گئی تھیں۔ اس گھرانے کی باندی اور کنیز ہونے پر فخر کرنے والی عورتیں اپنی راتیں خوش الحانی کی پوری رعایت کے ساتھ سوز خوانیوں کے کمالات دکھانے میں بسر کردیں گی۔ اس کے کان میں شاید ساری عمر کبھی باجے کی آواز نہ پڑی ہو۔ آج اس کے نام پر عشرہ بھر ہر گلی کوچہ ڈھول اور تاشوں کے شور سے گونج کر رہے گا۔ تعزیے اٹھیں گے، علم گشت کریں گے، براق بنیں گے، مجلسیں برپا ہوں گی۔ کہیں چائے تقسیم ہوگی، کہیں شیرمال بنیں گے، غرض پورے دس دن خوب دل کھول کر جشن رہے گا، جو کھانے کبھی نہ کھائے تھے، کھانے میں آئیں گے، جو منظر کبھی نہ دیکھے تھے، دیکھنے میں آئیں گے۔

اور سب کچھ کون کرے گا؟ آریہ نہیں، یہودی نہیں، عیسائی نہیں، ہندو نہیں، سکھ نہیں، پارسی نہیں، دشمن نہیں، دوست، غیر مسلم نہیں اپنے کو مسلمان کہلانے والے اور مسلمانوں میں بھی اپنے کو سنی کہنے والے اور اپنے اہل سنت ہونے پر فخر کرنے والے لوگ کریں گے اور اگر کوئی اس سارے ہنگامہ عیش وعشرت کے خلاف اس یا دایام کے نہیں، تمسخر یا دایام کے خلاف زبان کھولے تو وہ مردود ہے، دشمن اہل بیت ہے، لامذہب ہے، بے دین ہے اور سب کے عقائد کو بگاڑنے والا ہے۔ (منقول از ہفت روزہ المنبر، فیصل آباد، شمارہ ۶ دسمبر ۷۸ء)

اور جب کہ ان بدعات وخرافات کا ثبوت نہ اس امام سے ہے جس امام کی یہ حضرات تقلید کرتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہ ان کے تلامذہ وفقہائے حنفیہ سے نہ فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری، کنزالدقائق وغیرہ سب کتابیں اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ حتی کہ ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ان خرافات وبدعات کو ناجائز کہا ہے۔ ان کی بعض تحریریں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) تعزیہ آثار دیکھ کر اعراض وروگردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیے (عرفان شریعت، حصہ اول ص ۱۵)

(۲) سوال کیا گیا: محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیا: ناجائز ہے، وہ مناہی ومنکرات سے پر ہوتے ہیں۔ (عرفان شریعت، حصہ اول ص ۱۶)

(۳) سوال کیا گیا: کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں:

(۱) بعض سنت جماعت عشرہ محرم میں نہ تو روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔

(۲) اس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

ابوفرحان عبدالواحد بلرامپوری

# ماہ محرم کے فضائل وتعزیہ داری

اسلام دنیا میں سب سے سچا اور سب سے اچھا مذہب ہے۔تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی بے شمار قوموں کا نیا سال اپنی جھولیوں میں فرحت ومسرت کا پیغام لیکر آتا ہے اوراس میں ہرقوم کے لوگ اپنی خوشیوں کا اظہار کرنے کے لئے اپنے دوست واحباب کے پاس نئے سال کی مبارکباد پیش کرنے کے لئے بہترین تحفے وتحائف وغیرہ ارسال کرتے ہیں مگر امت مسلمہ کا سال نو ہجرت وجہاد فی سبیل اللہ اوراعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد سے عبارت ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ وہ اپنا نیا سال فرحت ومسرت کے بجائے غم وماتم سے شروع کرتے ہیں اور جس طرح مذہب اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے سال نو کا آغاز کسی شخصی واقعہ یا اہم دن پر ہوتا ہے اسی طرح اسلامی سال کی ابتداء ہجرت سے منسلک ہے یہ سال نو آج بھی ہمیں یاددلاتا ہے کہ اسلام اورایمان کے لئے تمہیں اپنا گھربار، رشتہ ناطہ،عزیز واقارب، مال ودولت کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑدو لیکن اسلام کو نہ چھوڑو۔

آج کا نام نہاد مسلمان محرم الحرام کا چاند دیکھتے ہی نوحہ وماتم میں غرق ہوجاتا ہے ڈھول تاشے وغیرہ بجانے لگتا ہے جبکہ مذہب اسلام نے محرم کوایک محترم مہینہ قرار دیا ہے ارشاد ہے۔اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (سورة التوبة :٣٦) بیشک مہینوں کی تعداد آسمان وزمین کی پیدائش سے نوشتہ الٰہی میں بارہ ہے ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ،محرم،اوررجب ہیں (بخاری ج۲ص۶۷۲)

فرمان رسول ہے:افضل الصیام بعدرمضان شہراللہ المحرم (مسلم ج ۱ ص۳۶۸ مع شرح نووی) یعنی رمضان کے بعدافضل ترین روزے محرم کے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالی نے لوح وقلم ، بحروسمندر ، جبرئیل ومیکائیل اوردیگر فرشتوں کو پیدا کیا اسی مہینہ میں حضرت آدم کی پیدائش ہوئی اوران کی توبہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی، اسی ماہ میں نوح کی قوم کوطوفان عظیم سے نجات ملی۔یہی وہ مقدس وبابرکت مہینہ ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے لئے نارنمرود گلزار بنی تھی جس مہینے کی اتنی بڑی عظمت وفضیلت ہواس میں نوحہ وماتم ،سینہ کوبی کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟اسی مہینے میں شہادت حسین کا واقعہ بھی پیش آیا مگر یہ لڑائی کفروباطل کی لڑائی نہ تھی بلکہ ایک نظریاتی وسیاسی لڑائی تھی۔

**تعزیہ داری**:یہ شریعت مطہرہ میں اضافہ اوراختراع ہے اور بدعت ہے، ہربدعت گمراہی ہے اور ہرگمراہی جہنم تک لے جانے والی ہے۔ان رسموں کا ثبوت نہ قرآن وحدیث سے ملتا ہے، نہ صحابۂ کرام کے اقوال وافعال سے، نہ ائمۂ دین اورنہ اہلِ بیت کی تعلیم میں ہے کہ تعزیہ بنا کراس کے سامنے سر جھکایا جائے ،اس کے لیے منتیں مانی جائیں بلکہ تعزیہ اوراس کی رسموں کے موجد قاتلانِ حسین شیعہ حضرات ہی ہیں۔تعزیہ کے اصل موجد احمد بن بویہ دیلمی معروف معزالدولہ نے ۱۰ارمحرم الحرام ۳۵۲ھ میں حضرت حسین کی شہادت پر تعزیہ سازی،تعزیہ داری، ماتم ونوحہ کورائج کیا جس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا۔

**تعزیہ کی تعریف**: تعزیہ تعزیت سے مشتق ہے۔تعزیہ کے لغوی معنی کسی مصیبت زدہ کوصبر کی تلقین کرنے، تسلی دلانے اورنوحہ وماتم سے پرہیز کرنے کے ہیں، شریعت محمدیہ میں تین دن سے زیادہ تعزیت اورغم کرنا کسی کی موت پر جائزنہیں سوائے اس عورت کے جس کا شوہر کا انتقال ہوگیا ہوتو ایسی حالت میں وہ عورت ۴مہینہ دس دن سوگ مناسکتی ہے اوراس کے علاوہ کسی کے لئے جائزنہیں کہ وہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ غم وافسوس کا اظہار کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: **لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیة** (ب ج اص۱۷۲) **وفی روایة مسلم: اودعا بدعوی اھل الجاھلیة** (مسلم ج اص۷۰ مع شرح نووی) دوسری جگہ آپ نے فرمایا:"**لعن رسول اللہ النائحة**" (ابوداؤد ج۲ص۴۴۶) مذکورہ احادیث سے نوحہ وماتم کا حرام ہونا ثابت اورواضح ہوجاتا ہے۔

مختصر یہ کہ جب تعزیہ سازی حرام ہے تو نوحہ وماتم کھیل کود بھی حرام اور یہ دعوٰی کہ ہم مسلمان حضرت حسین کی یادتازہ کرتے ہیں اوران سے محبت کرتے ہیں، کیا یادتازہ کرنے اوران سے محبت کرنے کا اسلام نے یہی طریقہ بتایا ہے کہ خودساختہ چیزوں کے سامنے جبین نیاز کوخم کیا جائے، اس کا طواف کیا جائے اورڈھول تاشے بجا کر ناچا کودا جائے؟ ہرگزنہیں۔ بلکہ اسلام ہمیں ان کی شہادت سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا درس دیتا ہے اوران کے پیغام پرعمل کرنے کے لیے ابھارتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اے مسلمانو! دین کی سربلندی کے لیے جب تمہیں جان کی قربانی پیش کرنی پڑے تو جان حاضر کردواور جب مال کی قربانی دینی پڑے تواس پرمن وعن سرتسلیم خم کردو۔یہ اسلام کا ہم سے مطالبہ ہے نہ کہ بلاوجہ رونے چیخنے سے اسلام کو کچھ فائدہ پہنچے گا۔ بلکہ اس سے اسلام کی شبیہہ اورہی زیادہ خراب ہوگی۔

مسلمانوں کوآج ماہ محرم کی عظمت وتقدس کا احترام اپنے ذہن ودماغ میں پیوست کرنا چاہیے اوراس مہینے میں جس چیز کے کرنے کا حکم ہمیں نبی کریم ﷺ نے دیا ہے اس کوکرنا چاہیے اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہنا چاہیے۔کیونکہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس مہینے کا احترام کیا جائے اوراس کے فضائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔اللہ تعالی ہمیں شہادت حسین کوصحیح طور پر سمجھنے اوراس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے آمین۔

☆☆☆

# اجتماعیت اور اسلام

مولانا عبدالشکور شکراوی

بنی نوع انسان میں سب سے بڑا شکوہ اور گلہ اجتماعیت کا ہے۔ اجتماعیت یوں تو خدا کی ہر مخلوق میں ہے۔ نہ اس سے عناصر مستثنیٰ ہیں نہ جمادات نہ نباتات اور نہ حیوانات، پھر انسان تو خلاصہ کائنات ہے۔ وہ کیونکر مستثنیٰ ہوسکتا ہے کائنات کے ایک ایک ذرے میں اجتماعیت کی روح کام کررہی ہے اور اس کے ایک ایک ذرے کے مزاج میں داخل ہے۔ جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اجتماعیت بہ تقاضائے فطرت ہے۔ اور قدرت کا ایک ایسا ہمہ گیر قانون ہے کہ جس سے خالق کائنات کی کوئی بھی مخلوق جدا نہیں ہے اور نہ وہ جدا ہوسکتی ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اجتماعیت ایک ایسا قانون فطرت ہے کہ جس کے بغیر کسی مخلوق الٰہی کو بھی چارہ کار نہیں ہے۔ اس بات کے لئے دلائل کی قطعاً حاجت نہیں ہے بلکہ یہ ہر انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

انسان جب دنیا میں پیدا ہوا اور توالد وتناسل کے واسطے سے اس کی نسل دنیا میں پھیلی اور تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا تو وہ ابتداء میں غول کے غول بنا کر جنگلوں میں بسیرا کرتا تھا۔ بعد میں موسمی انقلابات گرمی، سردی، برسات کے احساسات نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنے آرام کے لئے کوئی ٹھکانہ بنائے۔ اور موسمی تکلیفات سے اپنے جسم کو محفوظ رکھ سکے۔ ابتداء میں اس نے پھونس پتوں کے جھونپڑے بنائے۔ رفتہ رفتہ خام مکانوں کی تعمیر کا کام عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کچی اینٹوں کو پکانے کا رواج ہوا۔ پھر ان پختہ اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کے کام میں مدد لی گئی۔ اسی طرح پر تعمیری کام میں تجربہ ہونے سے کنکر پکا کر چونا بنانے کا نسخہ ہاتھ آگیا۔ اور پھر پختہ مکانات بننے شروع ہوگئے۔ اسی طرح گاؤں اور قصبے اور شہر آباد ہوتے چلے گئے۔ اجتماعیت کے فطری قانون نے انسان کے اندر چھوٹے بڑے قلت وکثرت کے لحاظ سے اصول وضع کئے۔ ابتداء میں ایک کنبے کا ایک فرد بڑا سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں خاص تعداد کے کنبوں کے لئے ایک ممبر منتخب کیا جانے لگا جس کو وہ اپنی اصطلاح اور زبان میں کسی نام سے نامزد بھی کرنے لگے۔

چونکہ انسان فطرتاً اپنے اندر اس قسم کی طبیعت اور مزاج رکھتا ہے کہ وہ بہت جلد اختلاف پیدا کرنے لگتا ہے۔ اختلاف سے جھگڑے پیدا ہونے لگے۔ پھر یہی اختلاف اور جھگڑے قبائلی طور پر پیدا ہونے لگے، اور انتقامی جذبات کی بنا پر لڑائیوں کے سلسلے شروع ہوگئے۔ تو اس کی عقل کی رہبری نے اس قسم کی لڑائیوں کی روک تھام کے لئے حکومت کا رواج ذہن میں پیدا کیا۔ اور حکومتوں کا رواج قبائل وار، خاندان وار، علاقہ وار، جزیرہ وار پیدا ہونے لگا۔ اسی طرح سے بہت سی حکومتوں کا وجود عمل میں آیا۔ ابتداء میں ان حکومتوں کا رجحان نسل کی بنیاد پر تھا۔ بعد میں ان میں جب مذہبی رہنما پیدا ہونے شروع ہوئے تو وہی رجحان مذہبی حکومت میں تبدیل ہوگیا۔ پہلے جس طرح سے نسلی اور وطنی بنیاد پر حکومتوں کی بنیاد قائم ہوا کرتی تھی اب مذاہب کی بنیاد پر حکومتوں کی استواری اور مضبوطی کی جانے لگی اور حکومتوں کے محکمے قائم ہونے لگے۔ سرحدیں تقسیم اور بننے لگیں۔ قدرت نے انسان کو عقل کا جوہر عطا فرمایا جس کی وجہ سے وہ جملہ بہائم وحیوانات سے ممتاز ہے۔ یوں تو قدرتی طور پر ہر ذی روح اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے کی فطری استعداد رکھتا ہے۔ مگر خالق کائنات نے انسان کو عقل کا جوہر عطا فرما کر اس کو غیر ذی عقل حیوانات سے ممتاز کیا اور ساری مخلوقات سے مکرم ومشرف بھی بنادیا۔ فرمان باری ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (بنی اسرائیل: ۷۰) ہم نے انسان کو فضیلت اور بزرگی دی اور اس کو خشکی اور تری پر چلنے کی سواریاں عطا کیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ پاکیزہ قسم کی روزیاں عطا کیں۔

اب یہاں یہ بات بھی جان لینی ضروری اور مناسب ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں ان کے رکھ رکھاؤ کا سامان بھی ساتھ ہی پیدا کردیا ہے اور ہر مخلوق کا رکھ رکھاؤ اس کے مناسب پیدا کیا ہے۔ جس سے وہ فیض پاتی رہتی ہے اور اپنی بقاء اور تحفظ کے لئے دوڑ دھوپ کرتی رہتی ہے جب کسی مخلوق الٰہی میں اپنی فکری استعداد سے کام لینے کی صلاحیت نہیں رہتی تو یہ مخلوق فنا کی گھاٹ اتر کر معدوم ہوجاتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کرہ ارض پر کس قدر انواع پیدا ہوتی رہتی ہیں اور ان میں کتنی معدوم ہوچکی ہیں۔ اور آئندہ ان میں سے کتنی معدوم ہوں گی۔ علماء طبقات الارض نے ایسے ایسے جانوروں کی ہڈیاں پائی ہیں کہ اس جسامت اور بناوٹ کے حیوانات آج کرہ ارض پر نہیں ملتے۔ اپنی عدم صلاحیت کی وجہ سے آج وہ معدوم ہوچکے ہیں۔ ہاتھی جو خشکی کا سب سے بڑا جانور ہے ابھی تک اس کا وجود کہیں کہیں ملتا ہے۔ مگر ایک مدت کے بعد اس کی نسل معدوم ہونے لگے گی۔ قدیم نوشتوں اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی چند صدی پہلے بہت کثرت سے ملتا تھا۔ مگر اب بہت ہی مشکل سے ملتا ہے۔ اس سے کئی براعظم خالی ہیں۔

نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک روح دوسرے بدن۔ ہم یہ بات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ فطرت نے ہر ذی

روح وبدن کی پرورش کا سامان پانی سے کیا ہے اور پانی ہی کی بدولت ہر چیز زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء: ۳۰)

ہم نے ہر شئے کو پانی سے زندہ کیا ہے۔

آسمان سے پانی برستا ہے اور ہر جگہ کم وبیش گرتا ہے۔ اس سے سارے ذی روح اپنی غذا حاصل کر کے زندہ اور موجود ہیں۔ یہ ہے بدن کی پرورش اور بقاء کا سامان۔ دوسری چیز روح ہے۔ قدرت نے بدن کی بقاء اور تحفظ کے ساتھ روح کی پرورش کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے۔ انسان اور جن کے سوا دیگر ذی روح کی بقا اور تحفظ کے لئے جو ذریعہ اور سامان ٹھہرایا ہے وہ ہمارے حیطۂ ادراک اور علم سے باہر ہے۔ البتہ جن وانسان میں ہم یہ بات عقل ونقل کے ذریعہ سے جان چکے ہیں کہ اس کی روح کی بقاء اور تحفظ کے لئے قدرت نے اپنے کلام کو ٹھہرایا ہے۔ اللہ عزوجل خود انسانوں میں ایسے بااستعداد انسان پیدا کرتا ہے کہ جن میں اللہ عزوجل کا کلام حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ ان پر ملائکہ کی معرفت اپنا کلام نازل کرتا تھا۔ پس یہ کلام ہی کرہ زمین کے انسانوں اور جنوں کے ارواح وقلوب کو سیراب کرتا ہے۔

مذاہب کی بنیاد اسی وحی الٰہی اور کلام اللہ پر ہے یعنی انبیاء ورسل تاسیس شریعت کیا کرتے تھے اور اس شریعت کے قیام اور تبلیغ کے لئے ان کو ایک خاص قسم کی اجتماعیت کی تاسیس کرنی پڑتی تھی۔ جس سے اللہ جل وعلی اور انبیاء ورسل کی یہ غرض ہوتی تھی کہ اللہ کے دین کی آزادانہ نشر واشاعت ہو سکے۔ چنانچہ قدیم انبیاء ورسل کے حالات میں اس بات کا کھوج ملتا ہے۔ اور پھر اس کی نشر واشاعت کرنے والے ائمہ ہداۃ ہوتے ہیں۔

اسلام نے دنیا کی تہذیب اور شائستگی کو اونچا اٹھانے کے لئے جو کچھ کیا ہے آج اس سے دنیا کا کوئی انسان ناواقف نہیں۔ ڈینگ مارنے کی بات نہیں ہے بلکہ ایسی سچائی ہے جو اپنے اندر بڑے بھاری تاریخی ثبوت رکھتی ہے۔ اور دنیا اسے تسلیم کرتی ہے۔ اگر کرۂ زمین پر شریعت اسلامیہ یعنی دین محمدی کا نزول نہ ہوتا۔ تو آج دنیا میں یہ رونق نہ پائی جاتی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کا انسان اگر کسی قبر یا آسمان سے نکل پڑے تو دنیا کی بہار دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔ اور نئی دنیا کو دیکھ کر پکار اٹھے گا کہ یہ دنیا تو وہ دنیا نہیں ہے۔ کسی اور انسان کی اولاد یہاں آ کر آباد ہو گئی ہے۔ یہ ہموار سڑکیں، یہ مصفیٰ راستے، یہ ریڈیو اسٹیشن، یہ ہوائی جہازوں کے اڈے، یہ دریاؤں کے پل اور جر ثقیل یہ لاسلکی اور وائرلیس اور قسم قسم کی سواریاں، یہ نفیس ملبوسات ومصنوعات اور صدہا قسم کی مشینیں مخلوقات کا وجود صرف اسلام کی حرکت وبرکت کا نتیجہ ہیں۔ اسلام سے پہلے ان قوموں اور ملکوں میں وحشت وبربریت کے سوا کچھ نہ تھا۔ جونہی اسلام آیا اور ان میں اجتماعی زندگی آئی، دنیا کو علمی فیضان سے روشن اور منور کر دیا۔ غرناطہ وبغداد کی یونیورسٹیوں میں عیسائیوں کے بچے پڑھنے کیا آئے۔ تھوڑی سی مدت میں ہمارے ان جمع کردہ علوم وفنون کو ہم سے چھین کر لے گئے۔ جن کو ہم نے اپنی ابتدائی صدیوں میں بڑی محنت سے جمع کیا تھا اور ہمارے اجتماعیت کے فیضان سے خود مستفیض ہوئے۔ اور دنیا کو چکا چوند میں ڈال دیا۔

آج مسلمان اجتماعیت کے صحیح فیضان سے قطعاً محروم ہے اور وہ اس سے یہاں تک نابلد ہو چکا ہے کہ آج وہ یہ یقین کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے کہ انسانی فلاح وبہبود کا راز اجتماعیت ہی میں مضمر ہے۔

اسلام ایک آزاد مذہب ہے۔ اس کی تعلیم بھی آزاد ہے۔ مگر اجتماعیت کا جو تخیل اور رجحان پایا جاتا ہے اس نے اسلامی سوسائٹی کو ایسے حلقے میں جکڑ دیا ہے کہ اس سے باہر نکلنا سخت مشکل ہے۔ آج ساری مسلمان قوم جو کرہ زمین کے سارے براعظموں میں موجود ہے اس کی آبادی تقریباً دنیا کی ایک تہائی آبادی سمجھی جاتی ہے۔ مگر ان کی حالت جس کس مپرسی اور پریشانی میں ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آج ان کا کوئی صحیح مرکز نہیں، صحیح دارالعلوم نہیں، دارالافتاء نہیں، آج ان کا صحیح نصاب تعلیم نہیں، اسی وجہ سے وہ آج غلام ہیں۔ غلام ہی نہیں بلکہ غلاموں کے غلام ہیں۔ اسلامی تاریخ کی گہرائی میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دن اور تاریخ سے ان کا اجتماعی نظام بگڑا ہے اسی دن سے ان کی ہوا اکھڑتی چلی گئی ہے اور آج ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ان کو اپنی اجتماعی پستی کا احساس بھی نہیں رہا ہے۔

اسلامی زندگی میں جو دین الٰہی کے قائم کرنے کے لئے آپ کو میسر ہوئی ہے یہ بات ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کے ابتدائی ایام میں ہی بحکم الٰہی اس قسم کی تدبیریں عمل میں لانی شروع کر دی تھیں آپ کی ملی زندگی کے جو واقعات ہم کو آپ کی سیرت تاریخ اور قرآن مجید میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں آپ شریعت کی اشاعت اور تاسیس فرماتے تھے ساتھ ساتھ تاسیس حکومت سے بھی غافل نہ تھے جب اپنے تجربے اور مشاہدے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں تاسیس شریعت اور نشر واشاعت کی تدبیروں کی کامیابی کی رفتار سست ہے تو آپ نے بحکم الٰہی اپنی رفتار بڑھانے کے لئے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ اور وہاں پہنچ کر تاسیس دین وحکومت کا کام بڑی تیز روی سے شروع کر دیا۔ لہٰذا آپ کی کامیابی کی رفتار یک لخت تیز ہو گئی یہاں تک کہ آپ کی مدنی زندگی میں تکمیل دین اور تاسیس حکومت کا کام پورے طریقے سے اعلیٰ منزل پر پہنچ گیا۔ تاسیس شریعت بھی ہو گئی اور تکمیل حکومت بھی۔ اس پر حق تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ: ۳)

اور رسول اللہ ﷺ اس وقت تک دنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے تکمیل شریعت اور تاسیس حکومت کو انجام نہ دے دیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ایسی جماعت پیدا کی جو قیام شریعت اور زمینی خلافت قائم کرنے کی صلاحیت حاصل

کر چکی تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات شریف کے بعد اقامت دین اور تاسیس خلافت کا کام جیسے آپ کی حیات مبارک میں ہو رہا تھا ویسا ہی انجام پانے لگا۔ بلکہ یہاں تک ترقی کی کہ آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیا کی طرف چل پڑے۔ اور کرۂ زمین کے ایک بہت بڑے حصہ پر نہ صرف دین اسلام کو پھیلایا بلکہ بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دیئے۔ اور قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹) اور نبوت کے بعد صالحین کی خلافت کا دور شروع ہوگیا۔

کائنات عالم میں جو جاندار پائے جاتے ہیں قدرت نے ان میں تین قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں پیدا کی ہیں۔ سبعیت، ملکیت، بہیمیت، مگر انسان میں یہ تینوں صلاحیتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں۔ سبعیت درندگی کو کہتے ہیں اور درندگی کے خواص ہیں چیرنا پھاڑنا، ایذا دینا، دکھ پہنچانا اور ملکیت کے خواص ہیں کسی کو ضرر نہ پہنچانا فسق وفجور سے نفرت کرنا۔ بہیمیت کھانا پینا، چیرنا، خواہشات نفسانی کے پورا کر لینے کو کہتے ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ بہیمیت عام حیوانوں میں پائی جاتی ہے اور ملکیت ملائکہ کے خواص میں سے ہے۔ مگر انسان اور جن ایک ایسی چیز ہیں ان میں سارے خواص موجود ہیں۔ ملکیت یعنی ملائکہ کے خواص بہیمیت کے اوصاف اور سبعیت کے اوصاف سارے کے سارے موجود ہیں۔ بہت سے انسان ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ ان کی عمر سبعیت میں گذرتی ہے۔ یعنی ظلم وستم، مار دھاڑ لوٹ کرنا وغیرہ، اخلاق فاضلہ سے ایسے لوگ بہت دور ہوتے ہیں۔ قدرت نے انسان میں ساری استعدادیں پیدا کردی ہیں اگر انسان اپنی ساری استعدادوں اور صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرے تو بہت بلند مراتب حاصل کر کے ملائکہ سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پاجاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں سے کام نہ لے تو وہ قعر مذلت کے اسفل السافلین میں جا گرتا ہے اور اس کا درجہ نجاست خورکرم سے بھی کم ہوجاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ نے ان صلاحیتوں کو پیدا کرنے اور عملی جامہ پہنانے کے لئے انبیاء ورسل کی معرفت اپنی شریعتیں بھیجیں۔ اس بنیاد پر اس کو خلافت ارضی کا مستحق ٹھہرایا۔ اور عالم ملکوت میں باری تعالیٰ کا فرمان اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا یہی مقصد تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاتم الرسل سے یہ وعدہ فرمایا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور:۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہیں، خدا وعدہ کر چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا حاکم بنادے گا۔ جس طرح سے کہ ان لوگوں کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا۔ جسے ان کے لئے پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا کہ میری عبادت کرتے رہیں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد جو لوگ ناشکری اور کفر کریں گے وہ یقیناً فاسق ہیں۔

آیت شریفہ میں اس بات کا وعدہ کیا گیا ہے کہ ہم مومنین صالحین کو دین کے مضبوط کرنے کے لئے کرہ ارضی پر خلافت فی الارض عطا کریں گے اور زمین کا وارث بنادیں گے۔ اطمینان اور چین کی زندگی عطا کریں گے۔ الحمدللہ یہی ہوا کہ برعظیم عرب کا بیشتر حصہ مکہ، خیبر، بحرین، یمن وغیرہ خود حضور کی زندگی میں فتح ہوگئے۔ حجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کرلی۔ شام کے حصص کا بھی یہی حال ہوا۔ مصر کے بادشاہ نے خدمت اقدس میں قیمتی تحفے تحائف بھیجے۔ حبش کا بادشاہ مسلمان ہوگیا مگر ذات باری کا یہ وعدہ مومنین وصالحین کے لئے ہے صالحین سے اعمال صالحہ بجالانے والے اور مستعدین صلاحیت مراد ہیں۔ یہ انسانیت کی عام بھیڑ مراد نہیں ہے۔ جن میں صالحیت کا عام فقدان پایا جاتا ہے، اور نام کی مسلمانی کو لئے پھرتے ہیں رسمی ایمان کا ڈھول پیٹتے ہیں صالحین مومنین میں جو اوصاف ہوتے اور ہونے چاہیے وہ ان میں نہیں پائے جاتے ایسے ہی لوگ ہیں جو خلافت اور اجتماعیت کے صحیح اٹھان سے محروم کردیئے جاتے ہیں۔ آج ہماری جو دینی حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ بیچارے اکبرالہ آبادی مرحوم نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

صبر و خودداری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا ایک نام اور مسلمان بن گئے


**مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش**

# نکاح نامہ رجسٹر

☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ
☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔
☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ
☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت
☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق:150 قیمت:Rs.200/-Net

# دینی اور عصری علوم- اسلام کی نظر میں

محمد یونس ارشد مرحوم

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ایک ایسا نظام عمل اور دستور حیات ہے جو ملت کو نہ صرف دینی کامیابی کے ذرائع فراہم کرتا ہے بلکہ دنیوی ترقی وسربلندی بھی عطا کرتا ہے ۔ اسلام دوسرے مذاہب سے اسی لئے ممتاز ہے کہ اس کی تعلیمات ہر دور کے مزاج کے مطابق جامع ترین اور ہمہ گیر ہیں۔وہ جس طرح دین کے فرائض وواجبات کے احکام بیان کرتا ہے اسی طرح اخلاقیات وحسن معاملات پر بھی زور دیتا ہے۔حتی کہ دنیوی اعتبار سے فرائض وواجبات کی ادائیگی اسی لئے ہوتی ہے کہ برائیوں کا خاتمہ ہو،ملکوتی صفات اجاگر ہوں۔فواحش ومنکرات سے اجتناب کیا جائے اور سماج ومعاشرہ پر اسلامی نظام کا سکہ جمایا جاسکے۔جبکہ فرمایا گیا۔اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت:۴۵)

بلاشبہ نماز غلط حرکات اور بے ہودہ افعال سے روکتی ہے۔معلم کائناتﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ جس کی نماز اس کے غلط اعمال وکردار اور فواحش ومنکرات سے نہ روکے، نیز جس کا روزہ بدگوئی، خیانت، بدعہدی، بے وفائی سے باز نہ رکھے اس کی نماز نہ مقبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہے اور نہ ایسے روزہ دار کی بھوک پیاس خدا کو چاہیے مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے تمام احکام انسان کو اخلاق کے بلند مراتب پر فائز کرنا چاہتے ہیں اور اس کے اندر ایسی اسپرٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کائنات میں خدا کی عبادت وپرستش کے ساتھ ساتھ دنیا کا بھی مطالعہ کرے۔خود خالق کائنات نے انسان کو دعا کرنے کا طریقہ اس طرح سکھایا۔رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار (البقرۃ:۲۰۱) اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں خیر ورشد عطا فرما۔اور آخرت میں کامرانی سے ہمکنار کر اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اس آیت میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ پہلے دنیوی بھلائی کی دعاء مانگے پھر آخرت کی کامیابی کی التجا کرے۔ اسی طرح اگر ایک طرف اقیموا الصلوۃ فرمایا گیا ہے تو دوسری طرف اس امر کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃ (الانفال:۶۰) یعنی مخالفین ومعاندین اسلام کے لئے اپنی مدافعت وحفاظت کی خاطر مجتمع کرو۔جس قدر تم سے ممکن ہوسکے۔

عصر حاضر کے اس عروجی دور میں جبکہ تمام قومیں ترقی کی منازل طے کررہی ہیں، ہم اب تک بے دست وپا محتاج اور مفلوک الحال ہوکر ذلت آمیز زندگی بسر کررہے ہیں۔دوسری قومیں اسی زمین سے بے بہا خزانے پیدا کرکے چاند ستاروں کی سیر کرچکیں۔لیکن ہم اب تک زمین میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں آخر کیوں؟ وجہ بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہونے کے بعد بھی کہ ان کی ترقی کے اسباب کیا ہیں ہم نے انھیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔مزید براں ہم آپس ہی میں مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔اگر کسی نے زمانہ کی رفتار دیکھ کر عصری علوم کو فرض قرار دیا اور صرف انھیں کو اپنی نجات کا ضامن تصور کرلیا تو دوسرے نے فتویٰ دیدیا کہ مسلمان کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے کے لیے صرف اسلامیات کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ علوم عصریہ اس کے لئے سم قاتل کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ الحاد ودہریت کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔جن سے انسان دینی اعتبار سے مریض ہوجاتا ہے اور پھر اسے ہلاکت وبربادی کی نذر ہوتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔

لیکن یہ دونوں قسم کے خیالات ونظریات افراط وتفریط سے خالی نہیں۔ان میں ایک اعتدال کی راہ ہے۔قرآن میں فرمایا گیا ہے۔اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں (کو فلاح وکامرانی کی راہ دکھانے) کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْن غلبہ وعزت صرف خدا، اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔یہ اور اسی قسم کے بے شمار آیتیں ملیں گی جن میں اہل اسلام کی فوقیت وبرتری ساری دنیا پر ظاہر کی گئی ہے۔اسی طرح معلم کائناتﷺ کی متعدد حدیثیں بھی اس بابت ذکر کی جاسکتی ہیں کہ اسلام کو تمام مذاہب پر اور مسلمانوں کو جملہ بنی نوع انسان پر برتری وسربلندی حاصل ہے۔"الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" اسلام غالب رہے گا۔وہ مغلوب نہیں ہوسکتا۔

آیئے ذرا سوچیں کہ ہماری رفعت وترقی اور تفوق وبرتری کس منزل میں ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج دنیا میں سب سے پسماندہ قوم مسلمان ہے۔اسلام کا نقش آئے دن دھندلا پڑتا جارہا ہے؟ اور جس تعلیم کو لے کر ہم دنیا میں آئے تھے انھیں طاق نسیاں کرکے ہم نے غربت وپسماندگی کی زندگی کو ترجیح دی؟ ہمیں خالق کائنات نے اپنا خلیفہ بنایا۔لیکن ہم اپنے طرز عمل سے اس معزز عہدے کو ٹھکرا کر دردر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ہمیں صراط مستقیم کی تعلیم دی گئی تھی۔لیکن آج ہم ضلالت وبے راہ روی میں پیش پیش ہیں۔ہمیں خیر امت کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔لیکن ہم نے اس

کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ہمیں مخالفین کے لئے مدافعانہ طریق پر تیار رہنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن آج ہم خود اپنے آپ سے بے خبر ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک صحیح اور جامع ترین مذہب کے نام لیوا ہوکر بھی ذلت وگمنامی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔

ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا صرف ایک ہی علاج ہے تعلیم ۔ وہ تعلیم جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے جو اسے اشرف المخلوقات ثابت کرتی ہے۔ جو کائنات کے ذرے ذرے پر اس کی حکومت نافذ کراتی ہے۔ اور جو انسان کو اس کا اصلی مقام یاد دلاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہر وہ علم ہے جو انسان کی اشرفیت وافضلیت سے متعلق ہے خواہ وہ دینی علوم ہوں یا دنیوی۔ قرآن وحدیث وفقہ ہوں یا سائنس وجغرافیہ اور طب وزراعت، غرض ہر قسم کے علوم ہماری ترقی کے لئے ناگزیر ہیں۔ البتہ ان علوم میں ایک ترتیب اور نظم ضروری ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے عربی اور دینی علوم حاصل کرلئے جائیں۔ اس کے بعد دیگر علوم عصریہ کی طرف متوجہ ہوں۔ آج ایسے مسلمانوں کی کثرت ہے جو رام لچھمن اور سیتا کی داستانیں تو تفصیل سے سنا سکتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت بلال اور حضرت حمزہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) کے نام تک سے واقف نہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے عہد طفولیت ہی سے انگریزی علوم کی طرف توجہ دی جس کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں ملحدانہ افکار ونظریات پیوست ہوگئے۔ اور اسلامی تعلیمات واحکام کو ایک مسخرہ اور مخول سمجھنے لگے اور اسی کو اپنی کامیابی تصور کر بیٹھے۔ مجھے ایسے بہت سے لوگ ملے ہیں جنھیں دنیوی حیثیت سے کسی بات کی ناواقفیت پر رنج ہوا ہے لیکن اسلام کی بابت کبھی ان کے ذہن میں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔

ایک صاحب نے جو علوم عصریہ سے وابستہ تھے مجھ سے گفتگو کے دوران بابائے قوم کا لفظ استعمال کیا۔ میں نے ان کی دلی کیفیت معلوم کرنے کے لئے انجان بن کر پوچھا کہ ''بابائے قوم کون ہیں؟'' اب تو ان کو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بڑی برہمی اور مایوسانہ لہجہ میں بولے ''وہ قوم کیا ترقی کرے گی جسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ بابائے قوم'' کون ہے؟ میں نے ان کی پیشانی کی شکن دیکھی اور چہرے کے اتار چڑھاؤ کا مطالعہ کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس بات سے انھیں سخت صدمہ پہنچا ہے کہ میں ''بابائے قوم'' کو کیوں نہیں جانتا ہوں اور اسی لئے میری تنزلی وپسماندگی میں کوئی شک نہیں۔

لیکن ذرا سوچئے تو سہی! اگر دینی علوم سے برگشتہ ہوکر دنیوی علوم جس قدر بھی حاصل کرلئے جائیں ان سے ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جب ہم اپنے مقصد زیست ہی کو بھول جائیں۔ اور اسلامی تعلیمات کو کسی ایک طبقہ کے لئے مخصوص سمجھ لیں۔ اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے؟

دینی تعلیم کے بعد اپنی تمام تر توجہ علوم عصریہ اور فنون جدیدہ کی طرف مرکوز کردینی چاہیے۔ کیونکہ ان علوم کے بغیر ہماری رفعت وترقی ناممکن ہے۔ جب ہمیں دنیا میں ''خلیفہ'' بنایا گیا ہے اور ''خیرامت'' کے لقب سے سرفراز فرما کر ہمارے سر پر اشرفیت کا تاج رکھا گیا ہے۔ تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تمام معاملات میں خودکفیل اور دوسروں سے بے نیاز ہوں۔ ایسی جماعت ''خیرامت'' کبھی نہیں ہوسکتی جو اپنے معاشی تقاضوں سے ناواقف، ضروریات معیشت سے نابلد اور ان علوم وفنون سے بے بہرہ ہو، جن سے دوسری قومیں ترقی کی منزلیں طے کررہی ہیں اور اپنی برتری کا پرچم سارے عالم پر لہرا رہی ہیں۔ آج دنیا میں وہ امت کبھی عزت نہیں پاسکتی جو سائنس وطب اور صنعت وحرفت وغیرہ جو دور حاضر میں قومی عروج واستحکام کے لئے سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں ان سے ناآشنا ہو نیز وہ قوم جو اپنی تمام ضروریات میں دوسروں کی محتاج ہو۔ عزت کے زینہ پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ آج ہماری یہ عظیم الشان تعداد جو کروڑوں سے متجاوز ہے، ذلت وبے چارگی کی زندگی صرف اس لئے بسر کررہی ہے کہ جس طرح وہ دین صحیح اور اخلاق کریمانہ میں پیچھے ہے اسی طرح علوم عصریہ اور فنون جدیدہ سے بھی نابلد ہے۔

جس طرح تاریخ اس حقیقت کی گواہ اور شاہد عدل ہے کہ دنیا میں جس قوم نے علوم وفنون میں ترقی کی اور اسے اپنا پیشوا بنایا وہ تمام دنیا پر فائق وممتاز رہی بالکل اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے لیکن علوم جدیدہ عصریہ میں کوئی ایسا علم نہیں ہے جس کی نشاندہی قرآن میں نہ فرمائی گئی ہو۔ اور مسلمانان عالم اس پر پروانہ وار نہ گرے ہوں۔ علم الکیمیاء، علم الحیات، علم الطب، علم الحساب، علم السیاست، علم الریاست، علم الافلاک، غرض کہ کوئی ایسا علم عقلی نہیں ہے جس میں مسلمانوں نے مہارت نہ حاصل کی ہو۔ اور ان علوم وفنون پر ہزار ہا تصانیف نہ چھوڑی ہوں۔ آج جن کو اپنا کر اہل یورپ دنیوی کامرانی کی منزلیں طے کررہے ہیں۔ اگر ان سب کا مطالعہ کریں تو آپ کو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ ان جملہ علوم وفنون کے بانی اہل اسلام تھے لیکن آہ۔

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

کاش مسلمان سوچیں اور غور کریں کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ فطرت کی تمام قوتوں کو بروئے کار لایا جائے اور ان کو مسخر کرکے اپنے کام میں لایا جائے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیہ:۱۳) آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے لیے مسخر کردیا ہے۔

علوم عصریہ کی بنیاد تجربات اور نظریات دونوں پر ہے۔ اور قرآن نے بھی عقل وتجربہ دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرہ:۱۰۴) یقیناً آسمان وزمین کی تخلیق میں، دن رات کے الٹ پھیر میں، ان جہازوں میں جو سمندروں میں سے گذرتے ہیں، بارش میں جسے خدا آسمان سے نیچے پھینکتا ہے اور جس سے وہ زمین کو موت کے بعد کی زندگی عطا کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانور روئے زمین پر زندہ رکھتا ہے۔ ہواؤں کی تبدیلی میں اور بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں، ان تمام چیزوں میں عقل مندوں کے لئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

ایک دوسری جگہ قرآن اعلان کرتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ (الانعام:۹۷)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم ان سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرو۔ علم وبصیرت سے کام لینے والوں کے لئے ہم نے اپنی نشانیاں بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں۔ قرآن بار بار مشاہدہ اور تفکر وتدبر پر زور دیتا ہے۔ ''انظروا ما فی السموات والارض'' مشاہدہ کرو آسمان وزمین میں کیا ہے۔ ''افلا ینظرون''، ''افلا یتفکرون''، ''افلا یتذکرون'' کیا دیکھتے نہیں، کیا غور نہیں کرتے، کیا نظر وبصیرت سے کام نہیں لیتے؟

یہ اور اسی قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن میں صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو غور وفکر اور مشاہدہ وتدبر کی دعوت دی گئی ہے۔ ان آیات کی روشنی میں کیا یہ حقیقت منکشف ہو کر سامنے نہیں آجاتی ہے کہ اسلام کے مطالبہ کے مطابق مسلمانوں کو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ عصریہ میں بھی مہارت تامہ حاصل کرنی چاہیے؟

قرآن کی یہ تعلیم محض لفظی نہیں ہے۔ بلکہ خلفاء راشدین، اجلہ صحابہ اور اسلاف کرام نے اس پر عمل کر کے ساری دنیا پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھایا ہے اور وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا (القصص:۷۷) کے پیش نظر انہوں نے ''خلیفۃ الارض'' کا حقیقی کردار ادا کیا ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام عربی کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھتے تھے۔ اور معلم کائنات ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ باہر سے آئے ہوئے وفود کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو تبلیغ اسلام کی راہ میں نہ صرف رکاوٹوں کی خلیج حائل ہوتی۔ بلکہ ہم اور آپ آج اسلام سے فیضیاب ہی نہ ہوتے۔

اس زمانے میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی خاطر دوسری زبانیں سیکھی جاتی تھیں۔ لیکن آج مسئلہ محض اشاعت اسلام کا نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں اسلام کے خلاف زہر اُگلا جارہا ہے۔ یہودیت وعیسائیت نے اسلام کے خلاف اپنی تجوریاں کھول رکھیں ہیں اور انگریزی لٹریچر کے ذریعہ ہمارے خلاف غلط بیانیوں کا ایک طوفان کھڑا کر رکھا ہے۔ لیکن ہماری سادہ لوحی تو دیکھئے کہ ہم ان زبانوں کے نہ سیکھنے کے فتوے داغ رہے ہیں کیونکہ ان سے ''دہریت ولادینیت'' کے جراثیم پرورش پاتے ہیں۔

آج جو عربی مدارس سے علماء وفضلاء سند فراغت لے کر عملی میدان میں اترتے ہیں تو ان کی کیفیت موجودہ حالات میں بالکل اسی طرح ہوتی کہ

بے رحم سوالات کی بارش میں کھڑے ہیں
اوراق لیئے فلسفہ وعلم کے سادے

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دوسری زبانوں سے واقفیت حاصل کئے بغیر تبلیغ دین واشاعت اسلام اور دفاع من الحق کا فریضہ انجام دے سکیں گے؟

اپنے ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب تک ہمارے اسلاف نے اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے تمام علوم حاصل کئے اور کسی کے محتاج نہ رہے اس وقت تک وہ ترقی وبرتری کے قطب مینار نصب کرتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے دوسرے علوم سے غفلت برتی اور فنون جدیدہ سے لاابالیت کے شکار ہوئے تو انحطاط وزوال ان کا مقدر بن گیا۔ جو علوم عصریہ میں آگے تھے۔ تاریخ کی اس تلخ حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (الانفال:۶۰) کا یہ تقاضا ہے کہ مسلمان نہ صرف آلات حرب تیار کریں۔ بلکہ وہ ہر قسم کی استعداد وصلاحیت کے مالک ہیں بلاشبہ قوت کا ناجائز استعمال انسانیت پر اور دنیا کے امن وامان پر بدترین ظلم ہے۔ لیکن اپنی خوددار وباوقار زندگی کے لئے قوت کا تحفظ ایک دینی وملی فریضہ ہے۔ اس لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے ماننے والے ہر لحاظ سے تفوق وبرتری حاصل کریں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں انسانوں کی قیادت کرسکیں۔ اپنی صلاحیت واستعداد کو بروئے کار لاکر دنیا کی زمام اقتدار سنبھالنے کے لائق بنیں۔ اور خدائی فرمان كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰) کے مصداق بن کر دنیا والوں کو راہ دکھائیں کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون:۸) غلبہ وبزرگی خدا، اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔

☆☆☆

تحریر: سحر شعیر (اسکالر امور دعوت وتربیت)
ترجمہ: عبدالمنان شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

# بچوں کی ذہنی ودماغی تربیت کی اہمیت

بہت سے ماں باپ کے نزدیک تربیت کا مطلب، بچوں کی جسمانی صحت اورغذا کا خیال، بیماریوں سے ان کی حفاظت ،بہترین لباس کی فراہمی اورمعیاری اسکولی تعلیم ہی ہے۔ یہ کام وہ اچھا کررہے ہیں اللہ انہیں جزائے خیر دے۔لیکن بچوں کے دماغوں کی دیکھ بھال اورتربیت کی ذمہ داری کا کیا ہوگا؟ اسلامی طریقہ تو ہر ناحیہ سے فرد کی تربیت کا خیال رکھتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَاب (آل عمران: ۱۹۰) ترجمہ:’’آسمانوں اورزمین کی پیدائش میں اوررات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔‘‘

اسلام جس طرح جسمانی، روحانی اوراخلاقی تربیت کا اہتمام کرتا ہے اسی طرح فرد مسلم کی ذہنی ودماغی تربیت کو بھی بڑی اہمیت دیتا ہے اوراس کا مقصد یہ ہے کہ اس عظیم نعمت کی حفاظت کی ضمانت حاصل ہوجائے اوراپنی ذمہ داری کوخرافات، جہالت اورغلط تصورات سے بچتے بچاتے صحیح طریقے سے انجام دیا جاسکے۔

**عقل کی نعمت:** اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر تمام مخلوقات میں امتیازی شان عطا فرمائی کہ اسے عقل سے نوازا تاکہ سوچنے سمجھنے، لائحہ عمل تیار کرنے، تجزیہ کرنے اورمعاملات کو بحسن وخوبی انجام دینے میں اسے کمال حاصل رہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظیم عقلی صلاحیتوں مثلاً چالاکی وہوشیاری، یادداشت، غوروفکر، تخلیق کا ملکہ اورسوجھ بوجھ وغیرہ سے نوازا ہے۔ یہ صلاحیتیں گرچہ بچے میں پیدائش کے وقت سے موجود ہوتی ہیں لیکن انہیں پروان چڑھانے، ڈیولپ کرنے اوربچوں کوان تباہ کن پروگراموں سے بچانے کی ضرورت ہوتی ہے جن کے نشانے پر وہ ہوتے ہیں۔اورجب مربی حضرات ان ذہنی صلاحیتوں کا اہتمام نہیں کرتے تو وہ اکثر مرجھاجاتی ہیں، کمزور پڑجاتی ہیں اورخراب ذرائع ابلاغ یا بری صحبت کا شکار ہوجاتی ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر انحراف وکجروی پیدا ہوجاتی ہے اورگمراہی انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں۔ بچوں کی ذہنی تربیت میں والدین کا انتہائی اہم کردار ہوتا ہے۔جبکہ باپ اپنے بچے کی تعلیم وتربیت نیز رہنمائی کے لئے اولین ذمہ دار ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے بچے کے اندر جوصلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان کی حفاظت نیز ان کی نشوونما اوربھلائی کی جانب رہنمائی میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے۔

**قرآن کریم ذہنی تربیت کا سرچشمہ:** قرآن کریم اس تربیتی رجحان کا اصل ذریعہ ہے۔اوراس کے بہت سے تربیتی طریقے اسی بنیاد پر مبنی ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں اپنے اردگرد کائنات کی نشانیوں پر غوروفکر میں عقل کے استعمال کی دعوت دیتا ہے۔تاکہ اس کے ذریعہ ہم مخلوق کی عظمت اورخالق کی وحدانیت کے درمیان ربط کو بخوبی سمجھ سکیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَاب الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار (آل عمران:۱۹۰۔۱۹۱) ترجمہ:’’آسمانوں اورزمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جواللہ کا ذکر کھڑے اوربیٹھے اوراپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اورآسمان وزمین کی پیدائش میں غوروفکر کرتے ہیں اورکہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تونے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔‘‘

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اسی لئے مذمت فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی عجیب وغریب مخلوقات میں غور وفکر نہیں کرتے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:اَفَلاَ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَت وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَت وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَت وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ (الغاشیۃ:۲۲۔۲۱) ترجمہ:’’کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں۔اورآسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے۔اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ہیں اورزمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔‘‘

**ذہنی تربیت کے مقاصد:** ذہنی تربیت کا مقصد انسان کی ہوشیاری وتیز دماغی، غوروفکر اورتنقید وتحلیل ونقطۂ نظر کی صلاحیت میں مزید اضافہ کرنا، یادداشت کو مضبوط کرنا، تحلیل وتجزیہ کی قدرت پیدا کرنا، تاریخ کے نصیحت آموز واقعات کی سوجھ بوجھ سے رشتوں کو استوار کرنا، اسباب ومسببات کو سمجھ کر حقائق کا ادراک اورعقلی ودماغی سرگرمیاں، ساتھ ہی تعبیر کی صلاحیت میں اضافہ غرضیکہ انسان کی ذہنی ودماغی تمام صلاحیتوں کو یہ شامل ہے۔

دماغی تعلیم نہ صرف ان ذہنی صلاحیتوں کا اہتمام اوران میں اضافہ کرتی ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی محبت اورعبادت تک پہنچنا ہے۔اسلام میں غوروفکر کا مطلب محض غوروفکر نہیں ہے، اسی لئے اللہ کی نشانیوں کے واسطے سے اس کی معرفت کا اہم ذریعہ یہی عقل ہے۔ کیونکہ بغیر عقل ہم کسی نشانی کو سمجھ سکتے ہیں اورنہ ہی اس کے بغیر اس کی ذات کی صحیح معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔

دماغی تعلیم بچے کے اندرون میں عقیدہ پیوست اورذہن ودماغ میں اسلامی سوچ پیدا کرتی ہے نیز اسے اسلامی عقیدہ اوردین اسلام کے مدمقابل دیگر فکری لہروں کے درمیان تمیز کا ملکہ عطا کرتی ہے۔اسی طرح بچوں میں مذہب اسلام کی عظمت و اصالت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

**بچوں کا باہمی فرق:** بچوں کے درمیان انفرادی فرق وامتیاز کی رعایت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو الگ الگ صلاحیتوں سے

نوازا ہے۔ کچھ زود فہم اور تیز ذہن ہوتے ہیں تو کچھ کم سمجھ اور کند ذہن، اسی طرح اکثریت درمیانے قسم کے بچوں کی ہوتی ہے۔ جبکہ درمیانے قسم کے بچوں میں بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ چنانچہ بچوں میں انفرادی فرق پایا جاتا ہے یہ حقیقت ہے اسے بالکل نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بچوں کے ذہنی فرق کو سمجھنا بے حد ضروری ہے تا کہ ان کی ذہنی صلاحیتوں کو اعتدال کے ساتھ پروان چڑھایا جاسکے۔ بچوں کی عمر، جسمانی ساخت، ذہنی و دماغی اور مزاجی فرق سے غفلت برتنا فرد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

بچہ امتحان میں فیل ہوجائے اور اس کے ساتھی پاس ہوجائیں، اس طرح کی صورت حال میں اس کا مذاق اڑانے کے بجائے باپ کو چاہئے کہ اپنی وسعت وقدرت کے مطابق اس کی مزید دیکھ بھال اور نگرانی کرے تا کہ اس کا اعتماد بحال اور معیار بلند ہوسکے اور اپنے ساتھیوں اور بھائیوں سے پچھڑ نہ جائے۔ اسی طرح چھوٹے بچوں پر بڑے مسائل سمجھنے کا دباؤ نہ ڈالا جائے خاص طور پر جن مسائل میں دلیل وثبوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ صلاحیتیں بڑی دماغی توانائی کی محتاج ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے بعض بڑے بڑے دماغ دار بھی قاصر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچے خرافات اور بہت سی تشریحات وعقائد کو بغیر بحث وتمحیص کے فوری قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ان میں استدلال کی قدرت اور دلائل کو جانچنے پرکھنے کی سمجھ نہیں ہوتی۔

**بچوں کی ذہنی صحت کا تحفظ**: بچوں کی سوچ برقرار، یادداشت مضبوط، ذہن صاف اور عقل پختہ رہے اسی طرح معاشرے میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں اور عقل و یادداشت پر اثر انداز ہوتی ہیں، ذہن کو آلسی بناتی اور فکر کے عمل کو شل کردیتی ہیں جیسے تمباکو نوشی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال جیسی برائیاں ان سب سے بچوں کا تحفظ بے حد ضروری ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کے ذہن و دماغ کو ایسے کاموں میں لگانا چاہئے جو ان کے لئے مفید ہوں اور صحیح سوچ کی جانب ان کی رہنمائی کریں۔ مزید برآں صحت بخش غذا پر توجہ دی جائے جس کی ابتداء فطری رضاعت سے کی جائے پھر بچے کی عقل کی افزائش کے لئے صاف ستھری غذا اور مطلوبہ صحت بخش خوراک کا انتظام کیا جائے۔ اس میں وہ غذائی اجناس ضرور شامل کی جائیں جو فطری تیز دماغ کی افزائش اور ذہنی مہارت میں اضافہ کے لئے مدد ومعاون ہوں اور دماغ تیز وطرار ہوجائے۔

بچوں کی عقل کو پروان چڑھانے اور صحیح سوچ بنانے کی مشق کے ذرائع:

**غور وفکر**: والدین اپنے بچوں کی عقل وذہن کو استعمال کرنے، اپنے ارد گرد کائنات کی نشانیوں، اسی طرح راستہ چلتے سامنے آنے والے مقامات اور جو قصے وکہانیاں وہ سنتے ہیں ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے اور ان پر غور وفکر کی جانب رہنمائی کریں۔ یہی اللہ کے بندوں میں سے عقل ودانش کے حاملین کی صفت ہے۔ بہت سے لوگ اچھے انداز میں فکر وتامل نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر تدبر کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ بچپنے سے تفکر وتدبر کے اسلوب پر ان کی تربیت ہی نہیں ہوئی۔

**سوالات پر بچوں کی حوصلہ افزائی**: بچوں کے سوالات سادہ ہی کیوں نہ ہوں، کشادہ دلی سے ان کا استقبال ہونا چاہئے۔ اور حسن تعلیم وتربیت کے مقصد سے ان کے اعتراضات کو پورے صبر وسکون کے ساتھ تسلی بخش جواب دینا چاہئے۔ ساتھ ہی انہیں سوال کے آداب، جواب کے دوران خاموشی اور بیچ میں نہ بولنے کی تعلیم دینی چاہئے۔

**حفظ قرآن کریم**: تربیتی جائزوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ طلبہ کے اندر قرآن کریم کے حفظ اور تعلیمی تفوق میں گہرا رشتہ رہا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے حفظ سے یادداشت مضبوط اور بھولنے کی بیماری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

**تعلیم**: بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے تعلیمی اداروں کا انتخاب کرنا چاہئے جن کا معیار بہتر اور جو دینی واخلاقی بنیادوں کے تحفظ میں بہتر کردار ادا کرسکیں نیز بچوں کی ان سے وابستگی بہتر انداز میں ہوسکے۔ کیونکہ بچے کی ذہنی تعمیر کے لئے مدرسے کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔

**سمجھدار رفقاء**: اپنے بچوں کے لئے سمجھدار رفقاء کے انتخاب میں ماں باپ کا اہم کردار ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے لئے چنندہ، مامون اور ممتاز ساتھی تلاش کریں جن کے اندر اسلام کی پختہ سمجھ ہو، ذہنی پختگی اور سماجی شعور بھی ہو۔ تا کہ ان کے بچوں کے لئے اچھے نیک ساتھی میسر ہوجائیں۔

**کھیل کے ذریعے عقل میں اضافہ**: بچپنے کے ابتدائی مرحلے میں مربی کو چاہئے کہ وہ بچے کے لئے ایسے کھیلوں کا انتخاب کرے جو اس کے اندر صحیح فکر وخیال کے میکانزم میں اضافہ کرتے ہیں جیسے بھول بھلیا کا کھیل جو مقصد تک پہنچنے کے لئے صبر وتحمل کا متقاضی اور عقل کے استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح پہیلیاں اور کچھ چنندہ (پلے اسٹیشن) کھیل خاص طور پر جن میں متبادل حل تلاش کرنے ہوتے ہیں اور بچہ اپنی پسند سے ان کا انتخاب کرتا ہے۔

**منظم سوچ کی تعلیم**: صحیح سوچ کے لئے کاغذ قلم کا استعمال بہت اہم ہے۔ اگر معلومات مدون کرنے، ان کا تجزیہ کرنے، ان کے درمیان باہمی ربط کو جاننے، فوائد کی معرفت، مناسب اور غیر مناسب کو الگ کرنے، مثبت اور منفی کی معرفت کی بچہ میں عادت ڈالدی جائے تو بلاشک وشبہ وہ منظم اور سود مند فکر وخیال کا عادی ہوجائے گا۔

مربی حضرات ذہن نشین کرلیں کہ بچوں کی ذہنی تربیت پر توجہ کا مطلب ہے کہ بچے مضبوط اور عمیق ایمان کی بنیادوں پر پروان چڑھیں نیز تہذیب وثقافت اور نفع بخش علم کے چشمے سے ان کی سیرابی ہو۔ اسی طرح ان کے اذہان کی ترکیز مکمل شعور، مطلق معرفت اور صحیح وپختہ معلومات پر ہو تا کہ فطری صلاحیتیں کھل اٹھیں، مہارت نکھرے، عقل پختہ ہو اور وہ زبردست شخصیت کے مالک بن کر ابھریں۔

لہٰذا ہمیں بچوں کی جسمانی نشو ونما پر ہی توجہ نہیں دینی چاہئے بلکہ ان کے ذہن ودماغ، عقل وشعور کا بھی خصوصی خیال رکھنا چاہئے کیونکہ بیدار مغزی اور روشن دماغی ہی سے ہمارے بچے آگے بڑھیں گے اور وہ بڑھیں گے تو امت مسلمہ دیگر اقوام سے آگے نکلے گی پھر اسے وہ مقام ومرتبہ حاصل ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پسند فرمایا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر امان اللہ محمد اسماعیل مدنی، چیئرمین فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی

# رضاعت کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

شریعتِ اسلامیہ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں زندگی گزارنے کے تمام مسائل موجود ہیں، بالخصوص سماجی مسائل کی پوری تفصیل بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

سماجی مسائل میں ایک اہم مسئلہ رضاعت کا ہے، رضاعت کے مسائل کو شریعت اسلامیہ نے بڑے ہی واضح انداز میں بتلائی ہے باوجود اسکے عام لوگ اس کے اہم مسائل سے بھی ناواقف ہیں، لہذا قرآن وحدیث اور معتبر علماء کے اقوال کی روشنی میں رضاعت کے اہم مسائل پیش خدمت ہیں۔

**پہلا مسئلہ: رضاعت کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے:** قرآن وحدیث مُنَزّل مِن اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کیلیے ہادی ورہبر ہیں، اسی لیے قرآن وحدیث کے اندر تمام مسائل واضح انداز میں بیان کیے گیے ہیں، رضاعت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: "وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم وأخواتكم من الرضاعة"[النساء:۲۴]، اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا کہ دودھ پلانے والی عورت دودھ پینے والے کی ماں ہے، اور اس کی بیٹیاں اس کی بہنیں ہیں، اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کثرت کے ساتھ رضاعت کے مسائل بیان کیے گیے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعت سے حرمت کے ثبوت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «يَحرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحرُمُ مِنَ الوِلَادَةِ «[صحیح مسلم حدیث:۱۴۴۴]۔ یعنی ولادت کے سبب جو حرمتیں ثابت ہوتی ہیں وہ رضاعت کے سبب بھی لاگو ہوجاتی ہیں۔

**دوسرا مسئلہ:** کتنے مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے؟ اس مسئلے میں علماء کرام کے درمیان کافی اختلاف ہے، لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہیکہ اگر کسی نے پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس سے رضاعت ثابت ہوجائے گی، پانچ مرتبہ سے کم میں رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

اس قول کی دلیل میں صحیح مسلم کی یہ روایت پیش کی جاتی ہے:

عَن عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَت: " كَانَ فِيمَا أُنزِلَ مِنَ القُرآنِ: عَشرُ رَضَعَاتٍ مَعلُومَاتٍ يُحَرِّمنَ، ثُمَّ نُسِخنَ، بِخَمسٍ مَعلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، وَهُنَّ فِيمَا يُقرَأُ مِنَ القُرآنِ " [صحیح مسلم حدیث:۱۴۵۲]۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں: قرآن میں نازل کیا گیا تھا کہ: دس مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی، پھر یہ حکم پانچ مرتبہ دودھ پینے کے حکم سے منسوخ ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور یہ حکم قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔

اس حدیث سے صاف طور پر یہ واضح ہوگیا کہ پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ دودھ پینے سے ہی رضاعت ثابت ہوگی، اور پانچ مرتبہ سے کم دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

یہی فتوی (اللجنہ الدائمہ) دائمی فتوی کمیٹی (سعودیہ عربیہ) کا ہے کہ اگر کسی نے پانچ مرتبہ سے کم دودھ پیا ہے تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی، لیکن اگر پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ دودھ پیا ہے تو اس سے رضاعت ثابت ہوگی۔

دائمی فتوی کمیٹی کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

"الرضاع الذى يحصل به التحريم لا بد أن يكون خمس رضعات معلومات أو أكثر، حال كون الطفل الرضيع فى الحولين، والرضعة: أن يمسك الطفل الثدى ويمص منه اللبن الذى يصل إلى جوفه ثم يتركه، فهذه رضعة، فإن عاد وارتضع مثلها فرضعة ثانية، وهكذا، حتى يكمل الخمس أو أكثر، سواء كان ذلك بمجلس أو مجالس، وبذلك يكون أولاد المرضعة إخوة من الرضاعة لابنك، ذكورا كانوا أو إناثا.[ فتاوى اللجنه الدائمه ۲۱/۳۰].

اس فتوی کا خلاصہ یہ ہیکہ: پانچ مرتبہ سے کم دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اور رضاعت اسی وقت ثابت ہوگی جب بچہ دوسال کے اندر رہتے ہوئے دودھ پیے، ایک مرتبہ رضاعت کی کیفیت یہ ہیکہ: بچہ بستان میں منہ لگا کر دودھ پینے لگے اور جب وہ پی لینے کے بعد پستان سے منہ ہٹا دے تو یہ ایک مرتبہ رضاعت ہوگی، پھر اگر دوبارہ اسی طرح پستان میں منہ لگا کر دودھ پیتا ہے اور منہ نکال لیتا ہے تو یہ دومرتبہ ہوگا، اور اسی طرح پیتا رہے یہاں تک کہ پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ پی لے، چاہے ایک مجلس میں پیے یا ایک سے زیادہ مجلسوں میں۔

اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا بھی یہی فتوی ہے۔

شیخ ابن باز کا فتوی ملاحظہ فرمائیں:

س: لقد رضعت من امرأة ثلاث رضعات كل يوم رضعة واحدة وفي مجالس مختلفة، هل أكون أخا لمن رضعت من أمه أم لا؟ أفيدونا أثابكم الله.

ج: هذه الرضعات الثلاث لا يحصل بها تحريم الرضاع، وإنما يحصل التحريم بخمس رضعات أو أكثر "[ مجموع فتاوى ابن باز

[۲۳۸/۲۲].

ترجمہ: شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا: میں نے ایک عورت سے تین مرتبہ دودھ پیا ہے، میں نے یہ روزانہ ایک ایک مرتبہ اور مختلف بیٹھک میں پیا ہے، کیا میں اس عورت کا رضاعی بھائی بن جاؤں گا جس نے اسی عورت سے دودھ پیا ہے، یا میں اس کا رضاعی بھائی نہیں ہوں؟

تو ابن باز رحمہ اللہ نے جواب دیا: چونکہ تم نے تین ہی مرتبہ دودھ پیا ہے اس لیے اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی، رضاعت پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ پینے سے ہی رضاعت ثابت ہوگی، پانچ مرتبہ سے کم پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

تیسرا مسئلہ: رضاعت کے ثبوت کے لیے کیا کسی عمر کی تعیین ضروری ہے؟: رضاعت کے ثبوت کے لیے عمر کی تعیین کے مسئلے میں بھی علما کرام کے درمیان سخت اختلاف ہے، البتہ علما کے اقوال اور ان کے دلائل کو باریکی سے دیکھنے اور پرکھنے کے بعد مندرجہ ذیل نتیجہ تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے:

نمبر۱- دلائل کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے اصل یہی ہیکہ رضاعت اسی وقت ثابت ہوگی جب دودھ پینے والے کا اصل میں خوراک دودھ ہی ہو، یعنی مدتِ رضاعت میں اگر بچہ کسی عورت کا پانچ مرتبہ دودھ پی لیتا ہے تو اسی سے رضاعت ثابت ہوگی۔

اس نتیجہ کی دلیل میں یہ روایت قابل اعتماد ہے: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا، قَالَت: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَعِندِي رَجُلٌ، قَالَ: »يَا عَائِشَةُ مَن هَذَا؟ «، قُلتُ: أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَ: »يَا عَائِشَةُ، انظُرنَ مَن إِخوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ المَجَاعَةِ« [صحیح بخاری حدیث:۲۶۴۷، وصحیح مسلم حدیث:۱۴۵۵]۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک شخص موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! یہ شخص کون ہے؟ میں نے کہا: میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! اپنے رضاعی بھائیوں کو اچھی طرح دیکھ لیا کرو، اور یہ جان لو کہ: بھوک کی حالت ہی میں رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح اس روایت سے بھی استدلال کر سکتے ہیں: عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »لا يحرم من الرضاعة إلا ما فتق الأمعاء في الثدي، وكان قبل الفطام«:

قال الامام الترمذي: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: أن الرضاعة لا تحرم إلا ما كان دون الحولين، وما كان بعد الحولين الكاملين فإنه لا يحرم شيئا. [سنن ترمذی حدیث:۱۱۵۲، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے]۔

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی دودھ سے رضاعت ثابت ہوگی جو بچے کے پیٹ تک پہنچ جائے اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس حدیث پر اکثر اصحاب رسول کا عمل ہے کہ دو سال سے پہلے ہی رضاعت ثابت ہوگی، اور دو سال کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

نمبر۲- لیکن کیا مدت رضاعت کے بعد یا بڑے ہونے کے بعد رضاعت ثابت ہوگی؟ تو اس سلسلے میں خلاصہ کے طور پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ اصل یہی ہیکہ مدت رضاعت ہی میں رضاعت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، البتہ سخت ضرورت کے تحت مدت رضاعت کے بعد یا کسی بڑے کو بھی دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جائیگی۔

اس قول کی دلیل میں یہ صحیح روایت پیش کی جاسکتی ہے: عَن عَائِشَةَ، أَنَّ سَالِمًا، مَولَى أَبِي حُذَيفَةَ كَانَ مَعَ أَبِي حُذَيفَةَ وَأَهلِهِ فِي بَيتِهِم، فَأَتَت – تَعنِي ابنَةَ سُهَيلٍ – النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَت: إِنَّ سَالِمًا قَد بَلَغَ مَا يَبلُغُ الرِّجَالُ. وَعَقَلَ مَا عَقَلُوا. وَإِنَّهُ يَدخُلُ عَلَينَا. وَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّ فِي نَفسِ أَبِي حُذَيفَةَ مِن ذَلِكَ شَيئًا. فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ »أَرضِعِيهِ تَحرُمِي عَلَيهِ، وَيَذهَبِ الَّذِي فِي نَفسِ أَبِي حُذَيفَةَ« فَرَجَعَت فَقَالَت: إِنِّي قَد أَرضَعتُهُ. فَذَهَبَ الَّذِي فِي نَفسِ أَبِي حُذَيفَةَ. [صحیح مسلم حدیث:۱۴۵۳]۔

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سالم جو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، ابوحذیفہ اور ان کے اہل وعیال کے ساتھ ان کے گھر ہی رہتے تھے، سہیل کی بیٹی [ابوحذیفہ کی بیوی] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: سالم بڑا ہو گیا ہے، اور عام لوگوں کی طرح ہر چیز کو سمجھنے لگا ہے اور وہ ہمارے پاس آتا جاتا ہے، اور مجھے لگتا ہیکہ ابوحذیفہ کو شاید یہ بات اچھی نہ لگتی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اسے دودھ پلا دو اس سے تم اس کی ماں بن جاؤ گی، اور ابوحذیفہ کے دل میں جو بات ہے وہ بھی دور ہو جائیگی، وہ بعد میں آتی ہے اور کہتی ہے: میں نے اسے دودھ پلا دیا ہے، اس سے ابوحذیفہ کے دل میں جو بات تھی وہ دور ہو گئی۔

اس صحیح ثابت حدیث سے رضاعت کبیر کا ثبوت ملتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ حکم خاص تھا، یا منسوخ ہو چکا ہے، اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ملتی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أن حديث سهلة ليس بمنسوخ، ولا مخصوص، ولا عام في حق كل أحد، وإنما هو رخصة للحاجة لمن لا

يستغنی عن دخوله علی المرأة، ويشق احتجابها عنه، كحال سالم مع امرأة أبی حذيفة، فمثل هذا الكبير إذا أرضعته للحاجة أثر رضاعه، وأما من عداه، فلا يؤثر إلا رضاع الصغير، وهذا مسلك شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله تعالی، والأحاديث النافية للرضاع فی الكبير إما مطلقة، فتقيد بحديث سهلة، أو عامة فی الأحوال فتخصيص هذه الحال من عمومها، وهذا أولی من النسخ ودعوی التخصيص بشخص بعينه، وأقرب إلی العمل بجميع الأحاديث من الجانبين، وقواعد الشرع تشهد له، والله الموفق [زاد المعاد فی هدی خير العباد ۵/۵۲۷].

ترجمہ: سہلہ والی روایت منسوخ نہیں ہے اور سہلہ کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے، نیز ہر کسی کے حق میں عام بھی نہیں ہے، یہ سخت ضرورت کے تحت ایک رخصت ہے اس طرح کے لوگوں کے لیے جسے کسی عورت کے پاس آنا جانا ضروری ہو اور اس سے پردہ کرنا بھی شاق ہو، جیسا کہ سالم کا معاملہ تھا ابوحذیفہ کی بیوی کے ساتھ، اس طرح کا بڑا شخص اگر دودھ پی لے تو اس سے رضاعت مؤثر ہو جائیگی، اس حالت کے علاوہ میں رضاعت کبیر مؤثر نہیں ہوگی، یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے، وہ احادیث جن میں رضاعت کبیر کی نفی کی گئی ہے یا تو وہ مطلق ہیں جنہیں سہلہ کی حدیث سے مقید کی جائیگی، یا عام حالتوں پر دلالت کرتی ہیں تو انہیں اس خاص حالت کے ساتھ خاص کر دی جائیگی، یہ مسلک نسخ اور تخصیص سے بہتر ہے، اور اس سے تمام طرح کی روایتوں پر عمل بھی ہو جائیگا، اور شریعت میں اس طرح کے قواعد موجود ہیں، اللہ تعالی ہی توفیق دینے والا ہے۔

امام صنعانی فرماتے ہیں: والأحسن فی الجمع بين حديث سهلة وما عارضه: كلام ابن تيمية، فإنه قال: إنه يعتبر الصغر فی الرضاعة إلا إذا دعت إليه الحاجة كرضاع الكبير الذی لا يستغنی عن دخوله علی المرأة وشق احتجابها عنه كحال سالم مع امرأة أبی حذيفة فمثل هذا الكبير إذا أرضعته للحاجة أثر رضاعه . وأما من عداه، فلا بد من الصغر انتهی. [ سبل السلام للصنعانی ۲/۳۱۳]۔

ترجمہ: حدیث سہلہ اور اس سے مخالف روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت میں سب سے بہترین مسلک ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رضاعت کا اعتبار مدت رضاعت ہی میں معتبر ہے، سوائے اس کے کہ سخت ضرورت کے تحت بڑے کی رضاعت ثابت ہو جائیگی جس کا عورت کے پاس آنا جانا ضروری ہو اور اس سے پردہ کرنا بھی شاق ہو، جیسا کہ سالم کا معاملہ ابوحذیفہ کی بیوی کے ساتھ تھا، اس طرح کا بڑا شخص اگر دودھ پی لے تو اس سے رضاعت مؤثر ہو جائیگی، اس حالت کے علاوہ کسی بھی صورت میں رضاعت کبیر مؤثر نہیں ہوگی۔

اسی طرح شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وأن رضاع الكبير لا يؤثر مطلقاً، إلا إذا وجدنا حالاً تشبه حال أبی حذيفة من كل وجه. [ الشرح الممتع ۱۳/۴۳۵]۔

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رضاعت کبیر مطلقا مؤثر نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ کسی پر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی حالت مکمل طور پر منطبق ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ سخت ضرورت کے تحت مدت رضاعت کے بعد یا بڑے ہونے کی صورت میں بھی رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ واللہ تعالی اعلم۔

چوتھا مسئلہ: رضاعت صرف دودھ پینے والے ہی کے حق میں ثابت ہوگی: رضاعت سے متعلق ایک اہم مسئلہ یہ ہیکہ جو بچہ یا بچی کسی عورت کا دودھ پیئے گی صرف اسی کی رضاعت ثابت ہوگی، باقی دودھ پینے والے کے رشتہ داروں پر اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوگا، مثال کے طور پر اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے تو اسی بچے کی رضاعت ثابت ہوگی اور باقی اس دودھ پینے والا بچہ کے بھائی بہن کا اس رضاعت سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، یعنی اس بچہ کے دیگر رشتے دار کا اس رضاعت سے کوئی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام نووی رحمہ اللہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: هَـــذِهِ الأَحَادِيثُ مُتَّفِقَةٌ عَلَى ثُبُوتِ حُرمَةِ الرَّضَاعِ، وَأَجمَعَتِ الأُمَّةُ عَلَى ثُبُوتِهَا بَينَ الرَّضِيعِ وَالمُرضِعَةِ، وَأَنَّهُ يَصِيرُ ابنَهَا، يَحرُمُ عَلَيهِ نِكَاحُهَا أَبَدًا، وَيَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيهَا، وَالخَلوَةُ بِهَا وَالمُسَافَرَةُ ... وَأَجمَعُوا أَيضًا عَلَى انتِشَارِ الحُرمَةِ بَينَ المُرضِعَةِ وَأَولَادِ الرَّضِيعِ، وَبَينَ الرَّضِيعِ وَأَولَادِ المُرضِعَةِ، وَأَنَّهُ فِي ذَلِكَ كَوَلَدِهَا مِنَ النَّسَبِ لِهَذِهِ الأَحَادِيثِ"[شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۰/۱۹]۔

ترجمہ: یہ حدیثیں رضاعت سے حرمت ثابت ہونے پر متفقہ طور پر دلالت کرتی ہیں، اور امت کا اتفاق ہیکہ رضاعت سے دودھ پینے اور پلانے والی کے درمیان حرمت ثابت ہو جاتی ہے، اور اسی طرح دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی کا بیٹا ہو جاتا ہے، دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی کے ساتھ کبھی شادی نہیں کر سکتا، وہ بچہ اس عورت کی طرف دیکھ سکتا ہے، اس کے ساتھ خلوت میں بھی ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے،... اسی طرح امت کا اجماع ہیکہ رضاعت سے دودھ پلانے والی عورت اور دودھ پینے والے کی اولاد کے درمیان حرمت ثابت ہو جائیگی، اور دودھ پینے والا اور دودھ پلانے والی کی اولاد کے درمیان بھی حرمت ثابت ہو جائیگی، اور یہ دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی کی حقیقی اولاد کی طرح ہو جائیگا۔

خلاصہ کلام یہ ہیکہ دودھ پینے اور پلانے والی کے درمیان مکمل رشتہ داری ہو جائیگی اور یہ بہت سارے احکام میں نسبی اولاد کی طرح ہو جائیگا، البتہ دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن اور دوسرے رشتہ داروں کا اس حرمت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

پانچواں مسئلہ: کیا رضاعت سے دودھ پلانے والی کا شوہر دودھ پینے والے کا باپ ہو جائیگا؟ رضاعت کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہیکہ کیا دودھ

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

عبدالولی عبدالقوی، سعودی عرب

# ملکۂ عفاف

## ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کی ایک جھلک

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدَ الشَّاكِرِيْنَ بِجَمِيْعِ مَحَامِدِهٖ عَلٰى جَمِيْعِ نَعْمَائِهٖ حَمْدًا كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً بِمَا هُوَ أَهْلُه وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ عَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. وَ بَعْدُ:

میرے لئے انتہائی مسرت وشادمانی کی بات ہے کہ میں کائنات کی افضل و اشرف خاتون، مومنوں کی ماں، پیکر ایمان وعمل، ملکہ عفت وعصمت، زوجہ رسول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کو صفحہ قرطاس کی زینت بناؤں اور زبان وقلم کو اس مقدس خاتون کے ذکر جمیل سے معطر کروں جن کی سیرت لالہ وگل کی طرح خوشنما، آبشاروں کے مانند مترنم اور کہکشاں کی طرح روشن وتابناک ہے، ان کی سیرت وکردار میں بنات حوا کے لئے عفت وپاکدامنی، ستر وحجاب، علم وفقاہت، فہم وفراست، صبر وتحمل اور قناعت کی انمول مثالیں ہیں۔ یہ موضوع تو شرح واطناب کا تقاضا کرتا ہے لیکن بار خاطر بن جانے والی طوالت سے بچتے ہوئے میں نے اسے اجمال واختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

### (۱) عائشة رضی الله عنها کا تعارف:

عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے جگری دوست، رفیق غار، ہجرت کے ساتھی، خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر تھیں، ان کی کنیت ابوبکر اور نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا، ان کا سلسلہ نسب کعب بن مرۃ پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے، وہ ایک پاکیزہ فطرت اور سلیم الطبع شخص تھے، دور جاہلیت کے خصال رزیلہ سے انھیں اسلام سے پہلے ہی نفرت تھی، انھوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا نہ کبھی زنا کاری کے قریب گئے نہ کبھی شراب پیا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۴۸)

یہ مردوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی وہ پہلے تردد کا شکار ہوا سوائے ابوبکر کے کہ انھوں نے بلا تردد میری دعوت پر لبیک کہا''۔ (دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱/ ۱۲۱، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۰/ ۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ''عتیق'' اور ان کی کثرت تصدیق کی وجہ سے ''صدیق'' کا لقب عنایت فرمایا، بعض لوگ انھیں ان کی نرم دلی اور خشیت الٰہی سے بکثرت آہ وبکا کی وجہ سے ''اواہ'' کا لقب بھی دیتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو لے کر احد پہاڑ پر چڑھے، تو احد کانپ اٹھا، آپ ﷺ نے فرمایا: احد قرار پکڑو کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری ۳۶۷۵، مسلم ۶۴۰۰، الفاظ بخاری کے ہیں)

صدیق سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دو شہیدوں سے مراد عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما تھے، یہ ایک معجزانہ پیشین گوئی تھی جو اپنے وقت پر پوری اتری، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما ہر دو نے جام شہادت نوش فرمایا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ تم اللہ کے ''عتیق'' جہنم سے آزاد کردہ ہو، لہذا اس دن سے ان کا نام ''عتیق'' پڑ گیا۔ (ترمذی ۳۶۷۹، اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/ ۲۰۳)

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک عظیم قدر ومنزلت کے حامل تھے، قوم میں ان کا اونچا مقام تھا ان کے اعلی اخلاق کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے اور اپنے درپیش مسائل ان کے پاس لے کر آتے تھے۔

رجب سن ۱۰ نبوی میں جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء پر اہل مکہ کے ظلم وجور اور ستم رانیوں میں اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حبشہ کے ارادہ سے تن تنہا نکل پڑے، ابھی برک غماد پہنچے تھے کہ ابن دغنہ سے ملاقات ہو گئی..... اس نے کہا: ''ابوبکر! آپ جیسے شخص کو اپنے وطن سے نہ خود نکلنا چاہئے اور نہ اسے نکالا جانا چاہئے آپ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب حق پر اعانت کرتے ہیں ....''۔ (بخاری ۳۹۰۵)

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مالدار شخص تھے راہ الٰہی میں ہمہ وقت اپنے مال کو خرچ کرتے یہاں تک کہ سخاوت وفیاضی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''جس قدر ابوبکر کے مال سے مجھے نفع پہنچا اتنا کسی اور کے مال سے نہ پہنچا''۔ (ترمذی ۴۰۲۲ بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/ ۲۰۰)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس موقع پر میرے پاس بھی مال تھا، چنانچہ میں نے (دل میں) کہا: اگر میں ابوبکر سے سبقت لینا چاہوں تو آج لے سکتا ہوں، چنانچہ میں اپنا آدھا مال آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: اسی قدر چھوڑ آیا ہوں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا کل مال رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ کہا: میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) تب مجھے کہنا پڑا: میں کسی شے میں کبھی بھی ان سے نہیں بڑھ سکتا۔ (ابوداؤد ۱۶۸۰، تحقیق الالبانی (حدیث حسن) دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۵/ ۳۶۶)

ابوبکر رضی اللہ عنہ انساب کے عالم تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش میں سب سے زیادہ نسب کا علم رکھنے والے ابوبکر ہیں۔ (مسلم ۶۵۰ ۵)

ام رومان عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں تھیں، ان کا نام زینب یا دعد بنت عامر بن عویمر تھا، ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن حارث الازدی کے انتقال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں ان سے شادی کی تھی، ان کے بطن سے دو بچے عبدالرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے، ام رومان پہلے اسلام قبول کرنے والی خواتین میں سے تھیں، انھوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کے خانوادے کے ساتھ مدینہ منورۃ ہجرت کی۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۲۷۶، تاریخ طبری ۳/ ۲۴۶، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر ۴/ ۱۹۳۵)

ام رومان رضی اللہ عنہا مشرف باسلام ہونے کے بعد برابر اپنے شوہر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت کرتی رہیں اور ہر غم واندوہ میں ان کے لئے سہارا بنتی رہیں یہاں تک کہ سن ۶ ہجری میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں، رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور ان کے لئے یہ کہتے ہوئے دعائے مغفرت کی: اے اللہ ام رومان نے تیری راہ میں اللہ و رسول کی خاطر جو مشقتیں اٹھائی ہیں ان سے تو آگاہ ہے۔ (الکامل لابن الاثیر ۲/ ۵۲، الروض الانف ۴/ ۲۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ترجیح کے مطابق ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال سن ۹ ہجری کے بعد ہوا، اس لئے کہ واقعہ تخییر سن ۹ ہجری میں پیش آیا اور اس وقت ام رومان بقید حیات تھیں جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ سے شروع کیا، فرمایا: "انی ذاکر لک أمرا فلا علیک أن لا تعجلی حتی تستأمری أبویک" میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں تم اپنی جانب سے کوئی جلد بازی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔

یہ روایت دلیل ہے کہ اس وقت ام رومان زندہ تھیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ دونوں سے مشورہ کرنے کے لئے کہا، لہٰذا مختلف فیہ اقوال میں صحیح یہی ہے کہ ام رومان کا انتقال سن ۹ ہجری کے بعد ہوا۔ (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۸/ ۵۲۱، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴/ ۴۵۲)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ایمان وعمل سے معمور گھرانے میں بعثت نبوی کے چار سال یا بعض اہل علم کے قول کے مطابق ۵ سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی، ان کی تربیت مسلمان ماں باپ کے ہاتھوں اسلامی ماحول میں ہوئی، انھوں نے اپنے گھر میں مشرکانہ عقائد وافعال کبھی نہ دیکھے، اس لئے ان کی فکر دور جاہلیت کے باطل افکار وخیالات سے بالکل پاک صاف ستھری تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "**لم أعقل أبوی الا و هما یدینان الدین**" جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دین اسلام پر چلتے ہوئے پایا۔ (بخاری ۴۶۴، سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۳۹)

چوں کہ عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالہ کر دیا کرتے تھے تا کہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے گہوارہ ہی سے ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں، اسی دستور کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ابوالقعیس کی بیوی کے پاس رضاعت کے لئے بھیج دیا گیا۔ (الاصابۃ لابن حجر ۸/ ۲۸۷)

عائشہ رضی اللہ عنہا متعدد القاب سے پکاری جاتی تھیں جو ان کی قدر ومنزلت کے غماز تھے، رسول اللہ ﷺ فرط محبت میں انھیں کبھی یا عائش کبھی یا بنت الصدیق کبھی یا حمیراء کہہ کر پکارتے تھے، صدیقہ بھی آپ کا لقب تھا اور اللہ کا دیا گیا لقب ام المؤمنین تھا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عائش جبرئیل تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ (بخاری ۳۷۶۸)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ ...... ﴾ (وہ لوگ کہ وہ جو کچھ بھی اعمال کر لیتے ہیں لیکن ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں......) تو میں نے پوچھا کہ ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاریاں کرتے اور چوریاں کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ یہ اعمال نامقبول نہ ٹھہریں۔ (ترمذی ۳۱۷۵، تحقیق الالبانی (حدیث صحیح) دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/ ۷۹)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بار حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم یہ کھیل دیکھنا چاہ رہی ہو ..........(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۷/ ۸۱۷)

جب مسروق رحمہ اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت نقل کرتے تو کہتے: "**حدثتني الصديقة بنت الصديق حبيبة حبيب الله المبرأة**" مجھ سے صدیق کی بیٹی صدیقہ، اللہ کے حبیب کی حبیبہ نے بیان کیا جن کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۲۶۰۸۶)

اللہ نے زوجات رسول ﷺ کو مومنوں کی ماں ہونے کا لقب عنایت فرمایا، چنانچہ فرمایا: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ....﴾ (الاحزاب:٦) پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی، عروہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اے نبی ﷺ! میری سہیلیوں کی کنیتیں ہیں، لہذا میری بھی کنیت رکھ دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بہن اسماء کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی جانب اپنی نسبت کرتے ہوئے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لو، لہذا عائشہ رضی اللہ عنہا اسی کنیت سے پکاری جاتی تھیں یہاں تک کہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ (ابوداود ۴۹۷۰، اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: البدر المنیر لابن الملقن ۹/۳۴۳، المجموع للنووی ۸/۴۳۸)

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک بچہ ساقط ہوا تھا جس کی بنا پر آپ کی کنیت ام عبداللہ تھی تو یہ بات صحیح دلائل سے ثابت نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: جلاء الافہام لابن القیم ۲۴۱، الاصابۃ لابن حجر ۲/۲۳۲)

**(۲) فضائل عائشۃ رضی اللہ عنہا:**

عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں متعدد روایات وارد ہیں ہم ذیل میں ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "**فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام**" عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت اور کھانوں پر ہے۔ (بخاری ۳۷۷۰، مسلم ۲۴۴۶)

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: سب سے زیادہ محبت آپ کو کس سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ سے، میں نے پوچھا اور مردوں میں؟ فرمایا: کہ اس کے باپ سے۔ (بخاری ۳۶۶۲، مسلم ۲۳۸۴)

رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت کی وجہ سے صحابہ اپنے ہدیے بھیجنے کے لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ ﷺ کی باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔

عروہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کو تحفے بھیجنے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کیا کرتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری سوکنیں سب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا: اللہ کی قسم! لوگ اپنے تحفے جان بوجھ کر اس دن بھیجتے ہیں جس دن عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری ہوتی ہے، ہم عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اپنے لئے بھی فائدہ چاہتی ہیں، اس لئے تم رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ جس بھی بیوی کے پاس ہوں جس کی بھی باری ہو اس گھر میں تحفے بھیج دیا کرو، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی، آپ ﷺ نے کچھ بھی جواب نہ دیا، انہوں نے دوبارہ عرض کیا پھر بھی جواب نہ دیا، پھر تیسری بار عرض کیا: تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھ کو نہ ستاؤ، اللہ کی قسم! تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں (جو میں سوتے وقت اوڑھتا ہوں) مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی ہاں (عائشہ کا مقام یہ ہے) کہ ان کے لحاف میں وحی نازل ہوتی ہے۔ (بخاری ۳۷۷۵، مسلم ۲۴۴۱، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عائش! جبرئیل تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ (بخاری ۳۷۶۸)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی بیویوں میں سے کون جنت میں ہوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً تم انھیں میں سے ہوگی۔ (سلسلہ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ۳/۱۳۳)

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم دنیا اور آخرت میں بھی میری بیوی ہو، عائشہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: تم دنیا میں اور آخرت میں بھی میری بیوی ہو۔ (سلسلہ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ۵/۳۲۵)

**(۳) عائشہ رضی اللہ عنہاکی رسول اللہ ﷺ سے شادی:** رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں، رمضان سن ۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا، اس وقت وہ ۶۵ سال کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی عمر پچاس برس کی تھی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالی کی ایک گرانقدر نعمت تھیں، وہ ایک چوتھائی صدی تک آپ کی رفاقت میں رہیں، اس دوران رنج وقلق کا وقت آتا تو آپ ﷺ کے لئے تڑپ اٹھتیں، سنگین اور مشکل ترین حالات میں آپ کو قوت پہنچاتیں، تبلیغ رسالت میں آپ کی مدد کرتیں، اپنے جان و مال سے آپ کی خیر خواہی و غمگساری کرتیں، اب ایسی غمگسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، جاں نثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی، آپ کے رضاعی بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت حکیم آپ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ دوسرا نکاح کر لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کس سے؟ خولہ نے کہا: بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے

متعلق گفتگو کی جائے، فرمایا: وہ کون ہیں؟ خولہ نے کہا: بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکر کی لڑکی عائشہ، ارشاد ہوا بہتر ہے تم ان کی نسبت گفتگو کرو۔

خولہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی مرضی پاکر پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں، گھر پر ام رومان (عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں) موجود تھیں ان سے کہا: اللہ عزوجل نے تمہارے اوپر خیر و برکت کی مینہ برسائی ہے، ام رومان نے پوچھا: وہ کیا؟ کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کی بیٹی عائشہ کو پیغام دینے کے لئے بھیجا ہے، ام رومان نے کہا: میری بھی آرزو یہی ہے، تھوڑا ٹھہرو یہاں تک کہ ابوبکر آجائیں، ابوبکر کے آنے پر ان سے تذکرہ کیا، وہ بولے خولہ! عائشہ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے، خولہ نے آنحضرت ﷺ سے استفسار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے، تب ابوبکر نے کہا: میں نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی ہے، ایک بار مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کی شادی سے متعلق کہا تھا مجھے ان سے دریافت کرلینا چاہیے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس آئے اور کہا: جبیر سے عائشہ کی شادی کے بارے میں اب آپ کیا کہتے ہیں؟ معطم نے اپنی بیوی سے پوچھا: چونکہ ابھی مطعم کا گھرانہ اسلام سے سرفراز نہیں ہوا تھا اس لئے ان کی بیوی نے کہا: اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آگئی تو ہمارا بچہ بددین ہوجائے گا، ابوبکر نے مطعم سے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ کہا وہی جو ام جبیر کہہ رہی ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ لوٹے اور خولہ سے کہا: رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ وہ آکر نکاح کرلیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح رسول اللہ ﷺ سے کردیا، اس وقت عائشہ کی عمر ۶ برس تھی۔ (مسند احمد ۴۲/۵۰۱، طبرانی ۲۳/۲۳، مستدرک حاکم ۲/۱۱۸۱، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح، مسلم کی شرط پر ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھئے: فتح الباری ۷/ ۲۶۶)

احادیث میں وارد ہے کہ نکاح سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کررہا ہے، پوچھا: کیا ہے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں، آپ نے کھول کر دیکھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (بخاری ۷۰۱۱، مسلم ۲۴۳۸)

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہجرت سے تین سال پہلے شوال کے مہینہ میں کی، اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶ برس تھی اور رخصتی شوال کے مہینہ میں ہجرت کے سات ماہ بعد ہوئی، اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو برس کی تھی۔ (الاستیعاب ۴/ ۱۸۸۱، معرفۃ الصحابۃ لابن مندہ ۹۳۹)

جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی کی اور اس وقت میری عمر ۶ برس کی تھی اور میرے ساتھ شب زفاف منایا اس وقت میری عمر ۹ برس کی تھی۔ (بخاری ۵۱۳۳، مسلم ۱۴۲۲)

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو مہر کتنا دیا اس بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ آپ کا مہر دیگر ازواج مطہرات سے مختلف تھا بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی دیگر ازواج مطہرات ہی کی طرح تھا، جیسا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ نے کتنی مہر دی، تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو مہر میں بارہ اوقیہ اور نصف اوقیہ دیا جو پانچ سو درہم ہوتا ہے۔ (مسلم ۱۴۲۶)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خبردار! عورتوں کے مہر میں غلو سے کام نہ لو، اگر یہ دنیا میں باعث عزت اور اللہ کے یہاں تقوی ہوتا، تو نبی ﷺ تم سے زیادہ اس کے حقدار ہوتے، مجھے رسول اللہ ﷺ سے متعلق کوئی ایسی خبر نہیں ملی کہ آپ ﷺ نے اپنا نکاح یا اپنی بیٹیوں کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔ (ترمذی ۱۱۱۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح وضعیف الترمذی ۳/ ۱۱۴)

(۴) **عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:** ماہ شوال سن ۱۱ نبوی میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی اس وقت ان کی عمر ۶ سال کی تھی اور ہجرت کے سات ماہ بعد شوال سن ۱ ہجری میں رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔ (تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی ص ۲۲، الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۴۸)

مہاجرین جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی، متعدد صحابہ بیمار پڑ گئے، انھیں میں سے عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں سخت بخار کی وجہ سے ان کے سر کے بال گر گئے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر ۶ سال کی تھی پھر ہم مدینہ ہجرت کرکے آئے اور بنو حارث بن خزرج کے یہاں قیام کیا یہاں آکر مجھے بخار چڑھا اور میرے بال جھڑ گئے، پھر (صحت یابی کے بعد) مونڈھوں تک خوب بال ہوگئے، ایک دن میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا آئیں، اس وقت میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی، انھوں نے مجھے پکارا تو میں آئی، مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ان کا کیا ارادہ ہے، آخر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے دروازہ کے پاس کھڑا کردیا، میری سانس پھول رہی تھی تھوڑی دیر میں مجھے جب کچھ سکون ہوا، تو انھوں نے تھوڑا سا پانی لے کر میرے منہ اور سر پر چھیرا، پھر مجھے گھر کے اندر لے گئیں، وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں جنھوں نے مجھے دیکھ کر دعا دی کہ خیر و برکت اور اچھا نصیب لے کر آئی ہو، میری ماں نے مجھے ان کے حوالہ کردیا انھوں نے میری آرائش کی، اس کے بعد دن چڑھے اچانک رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے ماں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کردیا اس وقت میری عمر نو برس کی تھی۔ (بخاری ۳۸۹۴، مسلم ۱۴۲۲)

شب زفاف کو اسماء بنت یزید اور ان کی سہیلیوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنوارا، جیسا کہ اسماء رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے عائشہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے مزین کیا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغل میں بیٹھ گئے، آپ ﷺ کی ضیافت کے لئے دودھ کا ایک بڑا پیالہ پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے تھوڑا سا دودھ پی کر عائشہ کی طرف بڑھا دیا، وہ شرمانے لگیں، میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا عطیہ واپس نہ کرو، انھوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور ذرا سا پی کر رکھ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا اپنی سہیلیوں کو دے دو.....۔ (مسند احمد ۴۵/ ۵۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/ ۲۶، آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ للالبانی ص ۹۱)

عائشہ رضی اللہ عنہا شادی میں ولیمہ کا حال بیان کرتی ہیں کہ میری شادی میں اونٹ اور بکریاں ذبح نہ کی گئیں، بلکہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑے برتن میں کھانا بھیجا جو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عموما بھیجا کرتے تھے۔ (مسند احمد ۶/ ۲۱۰، طبرانی ۲۳/ ۲۳، مستدرک حاکم ۲/ ۱۸۱، امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا: یہ روایت صحیح مسلم کی شرط پر ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے: دیکھئے: فتح الباری ۷/ ۲۶۶)

شادی کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ۸ سال پانچ ماہ رہیں، جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ (دیکھئے: زواج السیدۃ عائشۃ خلیل ملا خاطر ص ۳۹، بخاری ۵۱۳۳، مسلم ۱۴۲۲)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس شادی میں نکاح، مہر، رخصتی غرضیکہ ہر رسم انتہائی سادگی کے ساتھ ادا کی گئی جس میں تکلف، آرائش اور اسراف کا نام ونشان نہ تھا، عرب کی بہت سی بیہودہ لغو رسموں سے دوری اختیار کی گئی۔

عرب شوال کے مہینہ میں شادی نہیں کرتے تھے، پہلے کبھی اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس لئے وہ ماہ شوال کو منحوس سمجھتے تھے اور اس میں شادی وغیرہ کی تقریبات انجام نہیں دیتے تھے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ج ۸/ ۴۸، تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۳۰۱)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں یہ رسم بھی ٹوٹی کہ آپ کی شادی اور رخصتی دونوں ہی شوال میں ہوئی، وہ کہتی تھیں ''میری شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئی اور بایں ہمہ شوہر کے حضور مجھ سے زیادہ خوش بخت کون تھی''۔ (مسلم ۱۴۲۳)

ذرا آج کل کی غلو آمیز مسرفانہ شادیوں پر نگاہ ڈالیں، کیا ان کا اسلامی تعلیمات اور سلف صالحین کی شادیوں سے کوئی مقارنہ ہے، دور حاضر کے غلو آمیز رسم ورواج نے کتنے مرد وزن کو شادی کی نعمت سے محروم کر رکھا ہے، کتنے لوگ اپنی شہوت کے اسیر بن کر بے حیائی کی راہوں پر چل پڑے ہیں، کتنے لوگ اپنی بہنوں بیٹیوں کی شادی کے لئے گداگری کرتے نظر آتے ہیں اور کتنوں کو ان شادیوں نے اس قدر مقروض کر رکھا ہے کہ وہ اس کے بارگراں تلے مایوسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اللہ ہمیں فہم سلیم عطا فرمائے اور اسلام کے آسان راستوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔

**(۵) اس زواج میمون سے متعلق شبہات اور ان کا ازالہ:** بعض کج فہم خصوصا اہل مغرب اس مبارک شادی پر انگشت نمائی کرتے نظر آتے ہیں کہ رسول اسلام نے اتنی کم سن لڑکی سے شادی کیوں کی، جب کہ آپ ﷺ کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

واضح رہے کہ اس طرح کی عمر میں عالم انسانیت کی یہ کوئی پہلی شادی نہیں تھی جسے حقوق نسوانی کے نام نہاد پاسبان طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ عربوں کے یہاں اس طرح کی شادی کا رواج تھا، اسی لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی رسول اللہ ﷺ سے پہلے جبیر بن مطعم بن عدی سے ہو چکی تھی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانہ کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مطعم نے انکار کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے شادی ہوئی، اگر اس زمانہ میں اس طرح کی شادی عیب ہوتی تو مشرکین خصوصا منافقین جو رسول اللہ ﷺ کی ہر لغزش کی تلاش میں رہتے تھے اس شادی کو ضرور اپنی نکتہ چینیوں کا نشانہ بناتے، لیکن انھوں نے کبھی بھی اس کا تذکرہ نہ کیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس عمر کی شادی اس زمانہ میں کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس شادی کو لیکر نبی اسلام کو ایک شہوانی شخص قرار دینا کسی بھی حال میں درست نہیں، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو نبی اسلام مکہ کی حسین دوشیزاؤں پر اپنی نگاہ رکھتے اور ان سے شادیاں رچاتے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی بھی کنواری لڑکی سے شادی نہ کی، یہ بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اپنے انتخاب سے نہیں بلکہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر تھا، آپ ﷺ نے پہلی شادی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کی جب کہ ان کی عمر چالیس برس کی تھی، پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جب کہ وہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں جنہوں نے بعد میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا سودہ سے رسول اللہ کی شادی محض ایک بیوہ کے ساتھ احسان اور بھلائی پر مبنی تھی۔

نیز یہ بات بھی محل نظر رہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو سال کی عمر میں رخصتی کوئی تعجب خیز امر نہیں، اس لئے کہ گرم علاقے کے لڑکے اور لڑکیاں قدرتی طور پر بہت کم عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں، چوں کہ حجاز کے موسم کا بھی یہی حال ہے اس لئے وہاں کے لڑکے اور لڑکیوں کا کم عمر میں بالغ ہونا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔

جیسا کہ مستشرق بودلی جزیرہ عربیہ کی سیاحت سے واپس لوٹنے کے بعد اپنی کتاب ''ریح فی الصحراء'' میں لکھتا ہے: ''جس طرح عرب کی عورتیں بہت جلد پروان چڑھ جاتی تھیں اسی طرح عائشہ (رضی اللہ عنہا) بھی اپنی کم سنی کے باوجود بہت جلد پروان چڑھ گئیں اور اس عمر کی شادیاں قریب زمانہ تک ایشیا، مشرقی یورپ، اسپین اور پرتغال کے یہاں ایک عام عادت سی تھی''۔

(R.V.C. Bodley,The Messenger p129)

# مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

## مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اہل حدیث کمپلیکس میں تقریب یوم آزادی اور پرچم کشائی کا اہتمام

۱۶/اگست ۲۰۱۹ء

سارے دیش واسیوں کو یوم آزادی مبارک ہو۔آج پرچم کشائی اور مسرت کا موقع ہے۔ہم سبھی دیش واسی دیش بھر میں پورے جوش وخروش کے ساتھ یوم آزادی کی تقریبات اور پرچم کشائی کا اہتمام کررہے ہیں اوراس قومی تہوار کو اخوت و بھائی چارہ،قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے مبارک جذبے سے منارہے ہیں۔ہم نے جن قربانیوں کے صلہ میں یہ آزادی حاصل کی تھی،آج یوم آزادی کی مناسبت سے ہم تجدید عہد کریں کہ قومی یکجہتی اور محبت واتحاد کے ساتھ اس جشن آزادی کو مناتے رہیں گے اور آزادی کا حقیقی فائدہ اٹھانے اور ملک کی تعمیر کے لئے جدوجہد کریں گے۔جو قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھتی ہیں وہ آزادی کی قدر کرتی ہیں اور ہر طرح کے مفادات سے بالاتر ہوکر تعمیر وطن میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔آج اس تاریخی موقع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے المعہد العالی التخصص فی الدراسات الاسلامیہ میں پرقومی ترنگا کشائی کرتے ہوئے ایک بار پھر اس عزم کا اعادہ کرتے ہیں کہ ملک وملت کی تعمیر وترقی کے لئے ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے جو حسین خواب دیکھے تھے اس کو بلاتفریق مذہب ومسلک آپس میں مل جل کر شرمندہ تعبیر کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ان خیالات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے کل یہاں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی میں منعقد تقریب یوم آزادی و پرچم کشائی کے موقع پر اپنے ٹیلی فونک پیغام میں کیا امیر محترم ان دنوں مکہ مکرمہ میں سفر حج پر ہیں۔

امیر محترم نے مزید کہا کہ جس طرح ہمارے بزرگوں نے ذات پات،مسلک اور رنگ ونسل سے اوپر اٹھ کر اتحاد ویکجہتی کے ساتھ امن وآزادی کے لئے استعمار کا مقابلہ کیا تھا جس کے نتیجے میں آزادی کی صبح فروزاں نصیب ہوئی تھی،اسی طرح آج ہم ملک وملت کی تعمیر وترقی،امن ویکجہتی کے قیام اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے مل جل کر کوششیں کرتے رہیں تو دیش تعمیر وترقی کے مطلوبہ معیار کو پہنچ جائے گا پھر کوئی بھی طاقت ہمارا مقابلہ نہیں کرسکے گی۔

امیر محترم نے مزید کہا کہ یوں تو جدوجہد آزادی میں بلاتفریق مذہب ومسلک سبھی نے حصہ لیا ہے لیکن مسلمانوں خصوصا اہل حدیثوں کی قربانیاں سب سے نمایاں ہیں جس کا اعتراف تمام انصاف پسندوں نے کیا ہے۔

واضح رہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اہل حدیث کمپلیکس میں گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی تقریب آزادی و پرچم کشائی کا اہتمام کیا گیا اور شرکاء کے مابین مٹھائی تقسیم کی گئی۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مفتی اور المعہد العالی التخصص فی الدراسات الاسلامیہ کے استاذ مولانا مفتی جمیل احمد مدنی حفظہ اللہ اور صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کے ناظم مولانا محمد عرفان شاکر ریاضی کے علاوہ متعدد افراد واشخاص اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کارکنان وملازمین موجود تھے۔اس موقع پر قومی ترانہ بڑے اہتمام اور نغمگی سے گایا گیا۔

**(بقیہ صفحہ ۱۱کا)**

(۳)ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

جواب دیا: تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔(احکام شریعت حصہ اول ص۸۹)(۴)عشرہ محرم الحرام کی اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت محل عبادت ٹھہرا تھا۔ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کردیا۔(تعزیہ داری،ص۴)(۵)کچھ اتارا باقی توڑا اور دفن کردیئے۔یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم میں دوو بال جداگانہ ہیں۔اب تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے۔قطعاً بدعت وناجائز حرام ہے۔(حوالہ مذکور)(۶)تعزیہ پر چڑھا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیے۔اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دیں تو بھی اس کے کھانے سے احتراز کریں۔(تعزیہ داری: ص۱۱)(۷)سوال کیا گیا،تعزیہ بنانا اور اس پر نذر ونیاز کرنا،عرائض بہ امید براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا کیسا گناہ ہے؟

جواب دیا: افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سیئہ وممنوع وناجائز ہیں۔(تعزیہ داری،ص۱۵)

دیکھا آپ نے بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے بھی محرم کی ان بدعات وخرافات کو حرام وناجائز کہا ہے۔پھر بھی بریلوی علماء ہیں جنہوں نے مسلم عوام کو اپنے مختصر سے دنیوی مفاد کی خاطر ان بدعات وخرافات میں مبتلا کررکھا ہے،اور یہ عوام بھی ہیں،جنھیں ہوش نہیں آتا کہ یہ سب بدعات کرکے آخر وہ کس کی پیروی کررہے ہیں قرآن وحدیث میں تو اس کا ذکر نہیں،نہ ہمارے رہنما وپیشوا نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عاشوراء کے روزہ کے علاوہ ان دنوں یا اس مہینے کی مناسبت سے کچھ کیا ہے، نہ فرمایا ہے۔نہ تابعین وتبع تابعین نے ہی یہ خرافات کئے ہیں،نہ امامانِ دین نے جن کی یہ حضرات تقلید کرتے ہیں،یہ سب کیا ہے،نہ فرمایا ہے۔نہ فقہائے امت سے اس کا ثبوت ہے۔نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے،حتی کہ ان حضرات کے اعلیٰ حضرت بھی اسے حرام وناجائز کہتے ہیں۔پھر یہ حضرات یہ اسلام وذات رسالت فداہ ابی وامی ﷺ کی محبت واطاعت کا دم بھرنے والے آخر یہ بدعات وخرافات کس کے حکم سے اور کس کی پیروی میں کررہے ہیں۔

خرد بسوخت زحیرت کہ ایں چہ ابوالعجبی ست

☆☆☆

## صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کی مجلس عاملہ کا انعقاد:

آج بتاریخ ۱۸/اگست ۲۰۱۹ء مطابق ۱۶/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ بروز اتوار ۱۰/بجے دن بمقام مرکز السلام التعلیمی گمانی، برہروا، صاحب گنج، جھارکھنڈ صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس زیر صدارت فضیلۃ الشیخ قاری محمد یونس اثری صاحب حفظہ اللہ وتولاہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ منعقد ہوا جس کا ایجنڈا حسب ذیل تھا۔

۱۔سابقہ اجلاس مجلس شوری کی کارروائی کی خواندگی اوراس کی توثیق۔۲۔تنظیمی کارکردگی کو بہتر اور منظم کرنے پر غور وفکر۔۳۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تعمیر کے لیے مال فراہم کرنے پر غور وخوض۴۔ملکی وملی مسائل پر غور وخوض دیگر امور باجازت صدر، اکثر اراکین مجلس عاملہ صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ شریک اجلاس ہوئے، سب سے پہلے خاکسار نے استقبالیہ پیش کیا پھر سارے ایجنڈوں پر سیر حاصل بحثیں ہوئیں، شرکاء اجلاس نے قیمتی مشورے دیئے چند تجاویز وقرار داد پاس کیے خصوصا ملکی وملی حالات کا جائزہ لیا گیا NRC پر تفصیلی گفتگو ہوئی اور 1951 کے مردم شماری کی فہرست دستیاب کرنے کی بات کہی گئی، پھر بحکم صدر اجلاس دعائیہ کلمات کے ساتھ مجلس برخواستگی کا اعلان کیا گیا۔(کتبہ محمد شمس الحق عبدالحق سلفی نائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ)

## صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کا انتخابی اجلاس بحسن وخوبی اختتام پذیر:

الحمدللہ! بتاریخ ۱۸/اگست ۲۰۱۹ء کو صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی مجلس شوری کا انتخابی اجلاس بمقام سہارا فنکشن ہال نزد جامع مسجد بڈی لین اورنگ آباد میں منعقد ہوا۔جس میں صوبے کے تقریباً ہر ضلع سے اراکین شوریٰ بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔اور متفقہ طور پر مولانا محمد اسلم جامعی (امیر) مولانا سرفراز احمد اثری (ناظم اعلیٰ) جناب حنیف انعامدار (خازن) جناب وکیل پرویز صاحب ناگپور (نائب امیر) جناب محمد حنیف خان بھساول (نائب امیر) جناب آصف صاحب پونہ (نائب امیر) جناب عظمت اللہ صاحب (نائب ناظم اعلیٰ) جناب اسلم صاحب ناندیڑ (نائب ناظم اعلیٰ) جناب فاروق بادہ چکر صاحب پرلی (نائب ناظم اعلیٰ) منتخب ہوئے۔یہ انتخابی اجلاس مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تشکیل کردہ ایڈھاک کمیٹی برائے انتخاب صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے زیر اہتمام وانتظام منعقد ہوا۔ اوراس میں مرکزی مشاہد کی حیثیت سے شیخ محمد ہارون سنابلی صاحب ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند شریک ہوئے۔اوراس انتخاب پر سب کو بھرپور مبارکباد دی۔ اور صدارت کے فرائض محمد حنیف خان صاحب (کنوینر ایڈھاک کمیٹی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر) نے انجام دیئے۔اوراس طرح یہ انتخاب بحسن وخوبی اختتام کو پہنچا۔انتخابی عمل مکمل ہونے کے بعد اس پر اراکین نے قلبی اطمینان ومسرت کا اظہار اور مکمل طور پر اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے کا عزم کیا اور تعاون کا وعدہ فرمایا۔ اخیر میں نومنتخب عہدیداران نے اپنے تاثرات میں مؤقر اراکین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی تعمیر وترقی کے سلسلے میں اپنے عزم وارادے کا اظہار کیا اور توقع ظاہر کی کہ مؤقر اراکین جماعت کا تعاون انہیں ہمیشہ حاصل رہے گا۔(کتبہ: مولانا سرفراز احمد اثری، ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر)

## جماعتی خبریں

## دعائے صحت کی اپیل:

میدان خطابت کے عظیم شہسوار، جماعت وجمعیت کے ہمدرد وغم خوار اور صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناڈو وپانڈیچری کے امیر مولانا عبداللہ مدنی حیدرآبادی حفظہ اللہ اپولو ہاسپٹل چنئی میں زیر علاج ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔آمین

احباب جماعت اورعامۃ المسلمین سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔(ادارہ)

## دعائے مغفرت کی اپیل:

یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مولانا محمد شفیق عالم خان جامعی صاحب امیر شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد کے حقیقی تایا اور خسر اور مولانا امتیاز عالم خان محمدی صاحب کے والد محترم جناب نصیر عالم خان صاحب کا مورخہ ۲۱/اگست ۲۰۱۹ء کو بوقت صبح ۶/بجے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون .اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ ووسع مدخلہ واکرم نزلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وادخلہ فی جنۃ الفردوس واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار والھم ذویہ الصبر والسلوان۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگزر کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان خصوصا مولانا محمد شفیق عالم خان جامعی کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین۔تمام احباب ومتعلقین اورعامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔(شریک غم اصغر علی امام مہدی سلفی امیر

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

## مرکزی جمعیت اھل حدیث ھند کے ناظم عمومی مولانا محمد ھارون سنابلی صاحب کو صدمہ :

یہ خبر بڑے رنج وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا محمد ہارون سنابلی صاحب کی بھتیجی اور ان کے مرحوم بھائی عبدالرحیم صاحب کی دختر نیک اختر کا مورخہ ۲۲/اگست ۲۰۱۹ء کو بعمر ۲۲ سال میرٹھ میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔واضح رہے کہ دومہینہ قبل مولانا کے بڑے بھائی عبدالرحیم صاحب کا بھی انتقال پرملال ہوا تھا۔ان صدموں سے ناظم عمومی کو دلی رنج والم اور صدمہ پہنچا ہے۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے ،جنت الفردوس کی مکین بنائے اور پسماندگان خصوصا ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی صاحب کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ اور دیگر ذمہ داران واراکین مولانا کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔اور مرحومہ کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔احباب ومتعلقین اور عامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔(ادارہ)

## انتقال پرملال:

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ کے استاد مولانا عزیز احمد مدنی صاحب کے سمدھی جناب انوار احمد صاحب انجمن چوک ترکمان گیٹ دہلی کا مورخہ ۲۵/اگست ۲۰۱۹ء بروز اتوار کو بعمر تقریبا ۸۰ سال دہلی میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اور اگلے دن ان کی تدفین عمل میں آئی۔پسماندگان میں بیوہ ،دوصاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں اور دونواسے اور دونواسیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔لغزشوں سے درگذر کرے۔جنت الفردوس کا مکین بنائے۔اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ۔آمین۔ احباب ومتعلقین اور عامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔(ادارہ)

(مرکزی جمعیت اھل حدیث ھند کے امیر ، ناظم عمومی، ناظم مالیات اور جملہ ذمہ داران و کارکنان نے مذکورہ مرحومین کے لیے دعا ئے مغفرت کی اپیل اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کیا ھے)

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۳ کا)

پلانے والی کے شوہر اور دودھ پینے والے کے درمیان حرمت ثابت ہوجائیگی؟

اس مسئلے میں علماء کے درمیان معمولی اختلاف ہے، اکثر علما کا کہنا ہیکہ دودھ پلانے والی عورت کی طرح اس کے شوہر کے درمیان حرمت ثابت ہوجائیگی، جبکہ بعض لوگ اس کے خلاف ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: " وَأَمَّا الرَّجُلُ الْمَنْسُوبُ ذَلِكَ اللَّبَنُ إِلَيْهِ لِكَوْنِهِ زَوْجَ الْمَرْأَةِ أَوْ وَطِئَهَا بِمِلْكٍ أَوْ شُبْهَةٍ فَمَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً ثُبُوتُ حُرْمَةِ الرَّضَاعِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّضِيعِ، وَيَصِيرُ وَلَدًا لَهُ، وَأَوْلَادُ الرَّجُلِ إِخْوَةَ الرَّضِيعِ وَأَخَوَاتِهِ، وَتَكُونُ إِخْوَةُ الرَّجُلِ أَعْمَامَ الرَّضِيعِ وَأَخَوَاتُهُ عَمَّاتِهِ، وَتَكُونُ أَوْلَادُ الرَّضِيعِ أَوْلَادَ الرَّجُلِ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِي هَذَا إِلَّا أَهْلُ الظاهر وابن عُلَيَّةَ، فَقَالُوا لَا تَثْبُتُ حُرْمَةُ الرَّضَاعِ بَيْنَ الرجل والرضيع" [شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۰/۱۹]۔

ترجمہ: اور وہ شخص جس کی طرف اس دودھ کا انتساب ہے چونکہ وہ شخص اس عورت کا شوہر ہے یا اس شخص نے اس کے ساتھ ملکیت یا شبہ سے سبب جماع کیا ہے، اس شخص کے بارے میں ہمارا اور تمام علماء کا مسلک یہ ہیکہ دودھ پینے والا بچہ اور اس شخص کے درمیان رضاعت کے سبب حرمت ثابت ہوجائیگی، اور یہ بچہ اس شخص کا لڑکا ہوجائیگا، اور اس شخص کے بیٹے اور بیٹیاں اس بچہ کے بھائی بہن ہوجائینگے، اور اس شخص کا بھائی اس کا چچا اور اسکی بہن پھوپھی ہوجائیگی، اور دودھ پینے والے کی اولاد اس شخص کے پوتے پوتیاں ہوجائینگی، اس مسئلے میں ظاہریہ اور ابن علیہ نے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا ہیکہ بچہ اور عورت کے شوہر کے درمیان کوئی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

دلائل کی روشنی میں جمہور کا قول ہی صحیح ہے، اور انہیں کا قول اصل ہے۔

چھٹا مسئلہ: رضاعت کا میراث سے کوئی تعلق نہیں: رضاعت ایک منصوص شرعی مسئلہ ہے، اس سے متفقہ طور پر حرمت ثابت ہوتی ہے، لیکن رضاعت کا میراث سے کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی دودھ پینے اور پلانے والی ایک دوسرے کے میراث کے حقدار نہیں ہونگے۔

امام نووی فرماتے ہیں: وَلَا يَتَرَتَّبُ عَلَيهِ أَحكَامُ الْأُمُومَةِ مِن كُلِّ وَجهٍ فَلَا يَتَوَارَثَانِ وَلَا يَجِبُ عَلَى وَاحِدٍ مِنهُمَا نَفَقَةُ الآخَرِ وَلَا يُعتَقُ عَلَيهِ بِالمِلكِ وَلَا تُرَدُّ شَهَادَتُهُ لَهَا وَلَا يَعقِلُ عَنهَا وَلَا يَسقُطُ عَنهَا القِصَاصُ بِقَتلِهِ فَهُمَا كَالأَجنَبِيَّينِ فِي هَذِهِ الأَحكَامِ [شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۰/۱۹]۔یعنی رضاعت سے ماں کے تمام احکام تمام وجوہ سے مرتب نہیں ہونگے، اور دونوں ایک دوسرے کے میراث کے حقدار بھی نہیں ہونگے۔یہی فتوی تمام علماء اجلا کا ہے۔

رضاعت سے متعلق یہ چند مسائل ہیں، جن کی جانکاری ہمیں رکھنی چاہئے، اللہ تعالی سے دعا ہیکہ ہمیں دین کی صحیح سمجھ دے، اور دین پر کماحقہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین، وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

☆☆☆